واجعل لی لسان صدق فی الآخرین

تذکرہ

مشاہیر علمائے کراچی

اور انکی علمی و دینی خدمات

تالیف
محمد حسین صدیقی
استاد حدیث جامعہ بنوریہ

مکتبہ حسنہ کراچی

نام کتاب ——— تذکرہ مشاہیر علما کراچی

تالیف ——— مولانا محمد حسین صدیقی

اشاعت ——— اپریل 2005ء

پرنٹر ——— لومیز گرافکس

ناشر ——— مکتبہ حسان

ناشر

مکتبہ حسان کراچی

ملنے کے دیگر پتے

دارالاشاعت، اُردو بازار، کراچی

قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی

بیت القرآن اردو بازار، کراچی

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی

زم زم پبلشرز، اردو بازار کراچی

اداۂ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی

ادارۃ القرآن، اردو بازار کراچی

بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی

پیش لفظ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم

الحمد للّٰہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی

ملت اسلام کا سب سے زیادہ قیمتی سرمایہ وہ بزرگان ملت ہیں جن کے ذریعہ سے آپ ﷺ کا اسوۂ علم وعمل امت کی ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتا رہا ہے۔ان ہی کے بارے میں یہ ارشاد نبوی بھی ہے۔

یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین و انتعال المنتعلین و تاویل الجاھلین.

(ترجمہ) اس علم کو ہر سابق حامل علم سے بعد کے ثقہ افراد لیتے رہیں گے وہ اس سے غلو کرنے والوں کی تحریف اور غلط گوئی کے ساتھ بے اصل باتوں اور جاہلوں کی تاویلات کو مٹاتے رہیں گے۔وہ لوگ ہر محاذ پر کفر وشرک، الحاد و بے دینی اور رسوم و بدعات کے ذریعہ اسلام پر زبردست حملوں کا کامیابی سے دفاع کرتے، اور دین کو صحیح خطوط پر قائم فرمایا اس کتاب میں جن شخصیات کا تذکرہ ہے۔ان میں وہ شخصیات بھی ہیں جنھوں نے علمی خدمات سے دنیا کے سامنے ایک بے مثل نمونہ چھوڑا، اور ان میں وہ ہستیاں بھی ہیں۔جنھوں نے علم وعدل دونوں کے تابناک نقوش چھوڑے اور وہ ہستیاں بھی ہیں کہ جنھوں نے علم کے ساتھ ساتھ باطل کا زبردست مقابلہ بھی کیا۔

اس قحط الرجال میں علما کرام کا تذکرہ بڑا ہی ضروری اور مفید ہے۔کہ جس طرح انھوں نے اپنی زندگی گزاری اور اس میں نمایاں کارنامے انجام دیتے تو اس سے اپنی بھی تعمیر سیرت کا جذبہ ابھرتا ہے اور کچھ کرنے کا جی بھی چاہتا ہے اور ان کے سبق آموز حالات کا مطالعہ کر کے اپنی زندگی سدھارنے کی زیادہ سے زیادہ سعی پیہم کرے اور یہ دعا بھی ساتھ کرتے رہے بقول شاعر:

احب الصالحین ولست منہم
لعل اللہ یرزقنی صلاحا

صالحین سے عقیدت وحمیت رکھتا ہوں اگر چہ میں ان میں سے نہیں ہوں مگر اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ شاید اس محبت کے طفیل مجھے صلاح عطاء فرمادیں۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم.

طالب دعا
محمد حسین صدیقی
استاد حدیث جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی

تقریظ

الحمد لله الذی جعلک لنا خلفا عن الإمام ولکن لا یذهب عنی

حسرت الامام.

یاد جب آتا ہے رہنا ساتھ کا

زہر ہو جاتا ہے لقمہ ہاتھ کا

حضرت مولانا محمد حسین صدیقی صاحب استاذ جامعہ بنوریہ العالیہ کراچی کتب کثیرہ کے مصنف اور جامعہ بنوریہ دارالتصنیف کے ذمہ داروں میں سے ہیں ماشاء اللہ دعوت وتبلیغ میں عرصہ دراز سے جڑے ہوئے ہیں گوناگوں مصروفیات کے باوجود تصنیف وتالیف میں بھی عرق ریزی کے ساتھ مصروف عمل ہین تذکرہ مشاہیر علماء کراچی اوران کی علمی و دینی خدمات کے نام سے کتاب کی اشاعت ان کے ذوق تصنیف کی عکاسی ہے مولانا محمد حسین صدیقی صاحب نے اس کتاب میں ان حضرات علماء کرام کے مکمل حالات شامل اشاعت کیے ہیں جنھوں نے کراچی میں قیام کر کے دینی تعلیمی اصلاحی مذہبی مزاج کو اجاگر کیا اور دینی تحریکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اشاعت اسلام کا کام کیا۔

بزرگوں کے حالات سے آگاہی یقیناً ہم سب کے لئے مشعل راہ ہے اوران کے حالات سے اچھی راہ متعین کرنے میں مدد ملتی ہے اللہ تعالیٰ مولانا محمد حسین صدیقی صاحب کی زندگی میں برکت عطا فرمائے کہ انھوں نے مختلف علماء کرام کے مختصر حالات سے کتاب کی صورت میں پیش کیا جس کا مطالعہ ہر اہل علم اوراہل تصانیف

کے لئے نافع کا باعث ہے میری علماء کرام اور طلباء کرام سے استدعا ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں انشاء اللہ بزرگوں کے حالات آگاہی سے بہت زیادہ فائدہ ہوگا۔ اور اپنی زندگی کو ان کے نمونہ پر گذارنا آسان ہو جائے گا۔

فقط

(مولانا مفتی محمد نعیم)

شیخ الحدیث و مہتمم جامعہ بنوریہ العالیہ

فہرست

حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

نام: شبیر احمد یا فضل اللہ تھا۔

آپ کا اصل نام فضل اللہ تھا۔

سوال: تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شبیر احمد آپ کا نام کیسے مشہور ہوا اس بارے میں آپ کی سوانح لکھنے والے لکھتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ وجہ ہو کہ آپ عشرم محرم میں پیدا ہوئے اس لئے حضرت حسینؓ کے یوم شہادت کی وجہ سے آپ لوگوں نے بشیر احمد کہنا شروع کر دیا ہو۔

آپ کے والد کا نام فضل الرحمٰن عثمانی تھا جو ڈپٹی انسپکٹر تھے والد صاحب بڑے ادیب اور شاعر تھے اور بہت ہی زیادہ دین دار تھے اور جب حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے مدرسہ دارالعلوم دیو بند بنانے کا ارادہ فرمایا تو اس وقت ان کا ساتھ دینے والوں میں بھی تھے۔

ولادت:

آپ ۱۰ محرم ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۵ء میں بجنور میں پیدا ہوئے۔

تحصیل علوم:

آپ کی بسم اللہ حافظ محمد عظیم صاحب سے کروائی گئی۔ اور پھر قرآن مجید آپ نے درالعلوم دیو بند میں ہی پڑھا اور پھر اردو فارسی کی ابتدائی تعلیم بھی آپ نے دارالعلوم دیو بند میں حاصل کی۔ آپ کے فارسی کے استاذ منشی منظور احمد صاحب اور مولانا محمد یاسین صاحب صدر مدرس شعبہ فارسی دارالعلوم سے پڑھی۔ اور پھر ۱۳۱۸ھ

میں آپ نے عربی درجات میں داخلہ لے لیا اور پھر ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۵۸ء میں فارغ ہوئے۔ اور دورہ حدیث میں آپ اول درجے سے پاس ہوئے۔ آپ کے اساتذہ میں سے شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، مولانا محمد یاسینؒ، مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ حکیم محمد حسن صاحبؒ برادر اصغر شیخ الہند مولانا غلام رسول صاحبؒ، مولانا مرتضیٰ حسین صاحب چاندپوریؒ، مولانا گل محمد خان، مولانا محمد احمد صاحبؒ وغیرہ سے حاصل کی۔

شادی:

فراغت کے تقریباً دو سال پہلے ۱۱ ذیعقدہ ۱۳۲۳ھ کو ہی آپ کا نکاح ام بانی سنت بلند بخت سے کر دیا گیا۔ اہلیہ سید خاندان میں سے تھیں۔

دارالعلوم دیوبند میں تدریس:۔

۱۳۲۵ھ فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند کی انتظامیہ نے آپ کو دارالعلوم دیوبند میں مدرس مقرر کر لیا۔

مدرسہ فتحپوری میں تدریس:۔

۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۹ء میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا حبیب الرحمٰنؒ عثمانی نے ان کو مدرسہ فتحپوری دہلی میں صدر مدرس کی حیثیت سے بھیج دیا۔ اسی مدرسہ میں آپ نے شعبان ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۱ء میں دورہ حدیث کی کتابیں بھی پڑھائیں۔

دارالعلوم دیوبند میں دوبارہ آمد:

دو سال کے بعد آپ کو دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا حبیب الرحمٰنؒ نے دوبارہ دیوبند مدرسہ میں بلا لیا۔ اور یہ بات کہی کہ ممبران مدرسہ دیوبند کو یہ امر پسند نہ تھا کہ ایسے لائق اور کارآمد شخص کو دارالعلوم سے جدا رکھا جائے اس لئے آپ کو شوال ۱۳۲۸ھ میں دیوبند واپس بلا لیا گیا۔

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تدریس:

آپ کچھ وجوہات کی بنیاد پر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تشریف لے گئے۔ اور پھر تقریباً وہاں پر ۱۳۵۴ھ تک رہے اور وہاں پر بھی مختلف درجات کی کتابیں پڑھائیں۔

دارالعلوم دیوبند میں آمد:

۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۶ء میں آپ کو دیوبند میں بلالیا گیا یہاں پر آپ صدر مدرس کی حیثیت سے رہے اور ہزاروں تشنگاں کو آپ نے چشمہ فیض سے سیراب کیا آپ کے چند ممتاز تلامذہ کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

(۱) مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، مہاجر مدنی، مولانا قاری طیب قاسمیؒ ۔ مولانا سید محمد علامہ یوسف بنوریؒ۔ وغیرہ وغیرہ۔

سیاسی خدمات:

۱۹۱۲ء مطابق ۱۳۳۰ھ میں جنگ بلقان کا آغاز ہوا تو اس میں ترکوں کی جماعت میں آپ نے حصہ لیا۔ اور پھر تحریک خلافت اور ترک سوالات میں حصہ لیا اور معرکہ آرا فتویٰ ''ترک سوالات'' کا فتویٰ علامہ شبیر احمد عثمانی نے ہی علامہ شیخ الہند ؒ کے حکم سے لکھا تھا۔

جمعیت العلماء ہند میں خدمات:

آپ اس جمعیت کے زبردست سرگرم رکن رہے۔ اور ۱۹۱۹ء سے ۱۹۴۵ء تک اس میں شامل رہے اور اس وقت تک اس کے روح رواں بنے رہے۔ اس عرصہ میں آپ نے ۱۹۲۲ء میں جب گیا شہر میں جمعیت العلماء ہند کا سالانہ جلسہ ہوا تو مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند صدر بنائے گئے اور آپ کا خطبہ صدارت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے ہی نے پڑھا جس سے جلسہ کا رنگ بدل گیا اور اس جلسہ میں

آپ نے یادگار تقریر بھی کی۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا ایک یادگار کارنامہ:

جب سلطان ابن مسعود کی حکومت حجاز مقدس میں داخل ہوئی۔ اور وہ حنبلی مذہب سے تعلق رکھتے تھے، تو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں جتنے صحابہ کرام کے پختہ مزارت تھے ان تمام مزارت کو ختم کر دیا جو حکومت ترکیہ نے بنوائے تھے۔ اس سے دنیائے اسلام میں ہیجان پھیل گیا اور مشرق سے مغرب تک اضطراب اور جوش و غضب کی لہر دوڑ گئی۔ نیز ارادہ یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ کے روضہ مبارک کو بھی اصل حالت میں کر دیا جائے اور غلاف کعبہ پر بہت زیادہ اسراف ہوتا ہے اس کو کم کر دیا جائے۔

چنانچہ اس عمل سے روکنے کے لئے ہندوستان سے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، مولانا عبدالحلیم صدیقیؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا شوکت علیؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ، حجاز مقدس تشریف لے گئے اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے ایسے مدلل و مبرھن دلائل پیش کئے کہ جس کی وجہ سے حکومت سعودیہ اس کام سے رک گئی۔

بقول شاعر:

اثر لبھانے کا پیارتر ے بیان میں ہے
کسی کی آنکھ میں جادو، تری زبان میں ہے

قادیانیت کے خلاف تحریک:

۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۵ء میں علامہ شبیر احمد عثمانی نے دیگر علماء کے ساتھ جن میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مولانا مرتضٰی حسنؒ وغیرہ تھے ان کے ساتھ مل کر پنجاب کے بڑے بڑے شہروں کا دورہ کیا اور مرزائیت کے متعلق اعلان حق کیا۔ منکرین کو رفع شبہات کی دعوت دی۔

لدھیانہ، امرتسر، لاہور، گوجرانوالہ، گجرات، راولپنڈی، ایبٹ آباد، مانسہرہ،

ہزارہ، وغیرہ میں بھی قادیانیوں کے خلاف لوگوں کے شبہات دور کیئے۔

تحریک پاکستان میں حصہ:

آپ نے پہلے مسلم لیگ میں شریک ہوکر تحریک پاکستان میں حصہ لیا۔ اور پھر تحریک پاکستان کے حامی علماء پر مشتمل ایک جماعت بنائی جس کا نام جمعیت علماء اسلام رکھا جس کے پہلے صدر علامہ صاحبؒ ہی تھے اور نائب صدر مولانا ظفر احمد تھانویؒ تھے آپ نے پورے ملک کا دورہ کیا اور لوگوں کو پاکستان کے بنانے پر امادہ کیا سرحد کے ریفرنڈم میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی سعی کا بہت دخل ہے۔

پاکستان کا جھنڈا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے ہاتھ میں:

پاکستان بننے کے بعد ۱۴ راگست ۱۹۴۷ء مطابق ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ کی دوپہر آپ جشن آزادی پاکستان میں شریک ہوئے اور محمد علی جناح نے آپ کے ہاتھ سے پاکستان کا پرچم لہروایا۔

اس کے بعد آپ پاکستان میں ہی رہ گئے۔ اور یہیں پر انتقال ہوا۔

تصانیف:

آپ نے متعدد تصانیف چھوڑیں مثلاً (۱) الاسلام (۲) العقل والنقل (۳) اعجاز القران (۴) الشہاب (۵) تفسیر عثمانی (۶) فتح الملہم شرح مسلم وغیرہ اس کے علاوہ مختلف کتابوں پر تقریظیں اور متعدد رسائل پر مضامین تحریر فرماتے۔ آپ کی تمام ہی کتابیں مشہور ہوئیں مگر خاص کر کے مسلم کی شرح، اور قرآن کی تفسیر تو بہت معروف ہوئی علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے ایک موقعہ پر علامہ شبیر عثمانیؒ کے بارے میں فرمایا۔ علامہ عثمانیؒ نے تفسیر قران کریم لکھ کر دنیائے اسلام پر عظیم احسان کیا ہے۔ اس طرح مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسی تفسیر ابھی تک نہیں دیکھی اس میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ کی روح کارفرما ہے۔ علامہ سلیمان ندویؒ نے ان کی تفسیر قرآن کریم کے بارے میں فرمایا کہ علامہ عثمانیؒ کے تصنیفی و علمی کارناموں اور کمال

علمی کا نمونہ ہے اسی طرح شرح اس کے بارے میں مشاہیر علماء کی آراء ہیں۔

وصال:

۸ دسمبر ۱۹۴۹ء کی رات کو کچھ بخار ہوا۔ اور پھر صبح کے وقت سینہ میں درد محسوس ہوا۔ اور سانس میں رکاوٹ ہونے لگی اور یہی بیماری سبب بن گئی آپ کے وصال کے لئے۔

آپ کا وصال ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء مطابق ۲۱ صفر ۱۳۶۹ھ کو گیارہ بج کر چالیس منٹ پر بروز منگل ہوا۔ جب کہ آپ کی عمر مبارک ۶۴ سال تھی۔

گورنر جنرل پاکستان خواجہ ناظم الدین، اور وزیر اعظم لیاقت علی خان نے اپنے تمام دورے منسوخ کر دیئے اور جنازے میں شرکت کی۔

غسل اور نماز جنازہ:

آپ کو غسل حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ نے دوسرے ساتھیوں کی مدد سے دیا۔

نماز جنازہ حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے پڑھائی۔

جنازے میں تقریباً دو لاکھ کے قریب مجمع تھا۔

تدفین:

آپ کے جسد خاکی کو اسلامیہ کالج کے احاطہ جمشید روڈ کراچی میں سپرد خاک کیا گیا۔ وہاں پر اسلامیہ کالج تو بعد میں بنا اصل وہاں پر اسلامک ایجوکیشنل سوسائٹی کے ماتحت جگہ تھی جس کے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ صدر تھے۔

آہ وصال علامہ روزگار شبیر احمد عثمانی

وائے شیخ الاسلام شبیر احمد مرحوم

مشاہیر علماء کے تعزیتی پیغامات:

حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ نے فرمایا:

علامہ عثمانیؒ اس دور کے رازی اور غزالی تھے۔ قاری طیب صاحبؒ نے تقریر فرمائی جس میں فرمایا کہ حضرت مرحوم نہ صرف ایک بہترین عالم فاضل تھے بلکہ ایک صاحب الرائےمفکر بھی تھے آپ کا فہم وفراست اور فقہ تفقس بے نظیر تھا۔

حضرت حسین احمد مدنی صاحبؒ نے فرمایا۔

حضرت مرحوم کی شخصیت بے مثال تھی۔ علم وفضل میں آپ کا پایہ بلند تھا۔ اور ہندوستان کے چیدہ علماء میں سے تھے۔

متحدہ بنگال کے وزیراعظم نے کہا:

غیر منقسم بنگال کے آخری وزیراعظم مسٹر حسین سہروردی نے کہا کہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی رحلت سے ایک ایسا نقصان ہوا ہے جس کا الفاظ میں اظہار ممکن نہیں مولانا کی شخصیت زہد وتقویٰ، علمی فضیلت اور سیاسی بصیرت کا اجتماع تھی۔ وہ علوم دینیہ اور قانون شرعیہ کے متبحر

عالم تھے۔ انھوں نے اسلامیان ہند کی اس انداز سے رہنمائی کی کہ اسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا خدا تعالیٰ انھیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔

مولانا ظفر احمد تھانویؒ نے فرمایا:

موت کے ظالم ہاتھوں نے ایک ایسی ہستی کو ہم سے جدا کر دیا جس سے ملک کے تمام مذہبی رہنما ہدایت حاصل کرتے تھے۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ نے فرمایا کہ۔

حضرت علامہ عثمانیؒ کا یکا یک ہم سے جدا ہو جانا۔ ایک ایسا صبر آزما سانحہ ہے جس میں چشم ماتم گسار خدا جانے کب تک اشک بار رہے تو علماء کرام کی صف میں علامہ عثمانیؒ اپنی علمی فضیلت اور کردار کی بلندی دونوں اعتبار سے اتنا بلند مقام رکھتے تھے کہ پاکستان تو درکنار تمام روئے زمین میں بھی آپ کے پائے کی کوئی ہستی نہیں تھی۔

مؤرّخ اعظم حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

(خلیفہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

الكرب مجتمع والصبر مفترق

القلب معترق والدمع مستبق

نام: انیس الحسن اور سلیمان۔ (ا) کنیت ابونجیب تھی۔ والد کا نام مولانا حکیم ابوالحسن تھا، جوایک ممتاز عالم دین اور بہترین طبیب اور سلسلہ نقشبندیہ کے شیخ کامل تھے۔

ولادت:

آپ کی ولادت ۲۳ صفر ۱۳۰۲ھ مطابق ۲۲ نومبر ۱۸۸۴ء بروز جمعۃ المبارک کو ہوئی۔

تحصیل علوم:

ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے ایک معلم خلیفہ انور علی اور پھر مولوی مقصود اکھدوی سے حاصل کی اور پھر میزان ومنشعب اپنے بڑے بھائی سید ابوحبیب سے پڑھی اور پھر مزید تعلیم کے لئے اپنے والد ماجد کے ساتھ اسلام پور تشریف لے گئے۔

۱۸۹۹ء میں پھلواری شریف پٹنہ میں خانقاہ میں ایک سال مولانا سے کچھ عربی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد مدرسہ چلے گئے اور وہاں پر بھی چند کتابیں پڑھیں۔

۱۹۰۱ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو میں داخل ہوئے اور پانچ سال تک تعلیم حاصل کی۔

ندوۃ العلماء میں مندرجہ ذیل اساتذہ سے تلمذ حاصل کرنے کی سعادت حاصل ہوئی مفتی عبدالطیف سنبھلیؒ، سید علی زینبی، مولانا علامہ شبلی نعمانی، مولانا حفیظ اللہ اعظمیؒ، مولانا محمد فاروق چریا کوٹی اور حکیم عبدالحیؒ آپ سے تمام اساتذہ محبت فرماتے مگر

خاص کر کے آپ پر علامہ شبلی نعمانیؒ کی خصوصی نظر تھی۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ کا یادگار دن:

ندوۃ العلماء کے فارغ التحصیل طلباء کی دستار بندی کا ۱۹۰۷ء جلسہ رفاہ عام کلب میں ہوا اس جلسہ کی صدارت مولانا غلام محمد فاضل ہوشیار پوریؒ نے کی۔ اس جلسہ میں اس وقت کے نامور علماء شریک تھے جلسہ کے دوران علامہ سید سلیمان ندویؒ سے ''ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کیوں ہوئی'' اس مضمون پر عربی میں تقریر کرنے کو کہا گیا۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ کھڑے ہوئے، اور ایسی فصاحت و بلاغت سے اس موضوع کو بیان کیا کہ چاروں طرف سے آفرین کی صدائیں گونجتی رہیں۔ تمام جلسہ کے لوگ محو حیرت تھے۔ اس منظر کو دیکھ کر علامہ شبلی نعمانیؒ نے جوش مسرت میں اپنے سر سے عمامہ اتار کر علامہ سید سلیمان ندویؒ کے سر پر باندھ دیا یہ بات آپ کے لئے طرۂ افتخار بن گئی۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ کا فیصلہ:

جب علامہ سید سلیمان ندویؒ ندوۃ العلماء سے فارغ ہوئے تو علامہ شبلی نعمانیؒ نے سید سلیمان ندویؒ کے بڑے بھائی حکیم ابو حبیب سے پوچھا کہ اب سلیمان کے بارے میں کیا ارادہ ہے تو انھوں نے جواب دیا کہ میں طبیب ہوں میرے والد طبیب تھے طب ہمارا خاندانی پیشہ ہے تو سلیمان بھی طبیب بنے گا۔ علامہ شبلی نعمانیؒ نے کہا کہ اگر استاذ کا بھی کچھ حق ہے تو میں یہ حق آپ سے مانگوں گا کہ میں سلیمان کو طبیب کی بجائے ادیب بناؤں گا۔ مگر بڑے بھائی کا اصرار یہ تھا کہ طبیب بنائیں۔ بالآخر یہ بات طے ہوئی کہ آخری فیصلہ سید سلیمان ندویؒ سے کروالیا جائے کہ اس کا کیا رجحان ہے۔ جب سید سلیمان ندویؒ سے پوچھا گیا تو انھوں نے بڑے عزم کے ساتھ اپنا یہ فیصلہ سنایا کہ میں طبیب کی بجائے ادیب بنوں گا۔

آپ کی علمیت کے پیش نظر آپ کو ۱۹۴۳ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے ڈی

لٹ کی اعزازی ڈگری دی۔

تدریس:

فراغت کے بعد آپ ندوۃ العلماء میں ہی جدید عربی ادب کے استاد مقرر ہوئے۔ اور کئی سال تک آپ نے وہاں تدریس فرمائی اس کے بعد دکن کالج پونا میں تدریس کی۔

۱۹۶۴ء میں بھوپال کے قاضی القضاۃ اور جامعہ شرقیہ کے امیر کے منصب پر مامور ہوئے۔

شادی:

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے تین شادیاں کی تھیں۔ پہلا عقد ۱۹۰۴ء میں اپنی چچا زاد بہن سے کیا مگر تیرہ سال کے بعد ۱۹۱۷ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔ ان سے کئی اولادیں ہوئیں۔ مگر ان میں سے حیات صرف دو ہیں ایک لڑکی جس کا نام سیدہ ہے اور دوسرا لڑکا جس کا نام ابو سہیل ہے۔ لڑکی سیدہ کا انتقال بھی سید سلیمان ندوی کے حیات میں ہوگیا تھا۔ اگرچہ لڑکا زندہ تھا۔

دوسرا عقد:

۱۹۲۰ء میں دوسرا عقد کیا مگر وہ بھی مشکل سے ڈیڑھ سال حق رفاقت ادا کرنے کے بعد داغ مفارقت دے گئی۔

تیسرا عقد:

۷ جنوری ۱۹۲۳ء میں کیا۔ ان سے چار صاحبزادیاں اور ایک لڑکا علامہ مولانا ڈاکٹر سید سلمان ندوی ہیں۔

بیعت وسلوک:

۱۹۲۸ء میں اس قابل فخر بلند پایہ عالم، بے مثل ادیب، وسیع النظر مورخ، ایک

بہترین سیاسی مفکر حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے آستانہ تصوف پر جا کر اپنی جبین نیاز خم کر دی۔ اور سلوک کی منازل طے کئے اور پھر ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۲ء کو حضرت حکیم الامتؒ کی طرف سے سلاسل اربعہ میں خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ کا بانیٔ تبلیغی جماعت سے تعلق:

حضرت حکیم الامت الاشرف علی تھانویؒ کے انتقال کے بعد مولانا محمد الیاس ؒ بانی تبلیغی جماعت سے بہت زیادہ تعلق ہو گیا۔ تبلیغی اجتماعات میں شرکت فرماتے۔ اور بیان بھی فرماتے، لوگوں میں دعوت کی اہمیت اجاگر کرنے کے لئے مولانا محمد الیاس ؒ کے اخلاص وللّٰہیت کے بہت زیادہ قدر دان تھے۔ حضرت علی میاںؒ نے کتاب بنام مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور ان کی دینی دعوت لکھی تو اس پر بہترین مقدمہ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ہی لکھا۔ تبلیغی اجتماعات میں شرکت کرنے اور اللہ کے راستے میں نکلنے والی جماعتوں کو رخصت بھی فرماتے۔ اور جب بھی ان سے دعا کے لئے درخواست کی جاتی تو بلا تکلف دعا فرما دیتے اور اس سلسلہ میں بعض اسفار بھی فرمائے۔

سفر حج میں شاہ سعود کے مہمان:

جب آپ ۱۹۴۹ء میں حج کے لئے تشریف لے گئے تو شاہ سعود نے آپ کو اپنا مہمان خصوصی بنایا۔

علامہ سلیمان ندویؒ کی تصنیفی خدمات:

آپ کی تحریر میں علامہ شبلیؒ کی تحریر کی جھلک تھی۔ مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں، جس شوق اور بے تابی سے آنکھیں علامہ شبلیؒ کی تحریروں کی منتظر رہتی تھیں اس میں، کچھ کم اشتیاق حضرت سلیمان ندویؒ کے بھی علمی و تحقیقی تحریر کی نہیں رہتی علامہ شبلی نے رسالہ الندوۃ کی سب ایڈیٹری ان کے سپرد کر دی اس زمانے میں علامہ ندوی نے سب سے زیادہ علمی و تحقیقی مضامین لکھے اور بڑی شہرت پائی۔

اسی طرح ۱۹۱۰ء میں علامہ شبلی نعمانیؒ نے سیرت النبی ﷺ کی تدوین و ترتیب کا ایک شعبہ قائم کیا تو سید سلیمان ندوی کو ہی اس کا اسٹنٹ مقرر کیا۔ نیز اخبار الہلال میں بھی کام کیا۔ اسی طرح آپ نے مختلف رسائل وغیرہ پر علمی و تحقیقی مضامین لکھے اس کے ساتھ ساتھ آپ نے مستقل چند اہم تصنیف بھی فرمائیں۔

(۱)۔ تاریخ ارض القرآن۔

دکن کالج پونا کے زمانہ قیام میں اس کی تصنیف کا آغاز ہوا تھا۔ یہ دراصل سیرت النبی کا مقدمہ ہے مگر زیادہ طویل ہونے کی وجہ سے مستقل کتاب بن گئی ہے۔

(۲)۔ لغات جدیدہ

عربی جدید الفاظ کی ایک ڈکشنری کی ضرورت تھی اس کام کو علامہ صاحبؒ کے سپرد کیا گیا آپ نے دو سال کے عرصہ میں یہ کام بھی مکمل کر لیا۔

(۳)۔ سیرت النبی ﷺ۔

علامہ شبلی نعمانیؒ نے جس کام کو اپنی زندگی میں شروع کیا۔ مگر اس کی تکمیل وہ نہ کر سکے انھوں نے آخری ایام میں یہ کام علامہ سلیمان ندویؒ کے حوالے کر دیا جس کو انھوں نے بخوبی مکمل کیا۔

جس کے بارے میں سید ابوالخیر کشفی فرماتے ہیں کہ سیرت النبی ﷺ اردو نثر کے تاج میں کوہ نور کی طرح چمک رہی ہے یہ چمک نگاہوں کے لئے نہیں دل کی وادیوں کے لئے ہے۔

۴۔ خطبات مدراس:

اکتوبر ۱۹۲۵ء میں مدراس مسلم ایجوکیشن کی دعوت پر آپ نے مدراس کا سفر کیا۔ وہاں آٹھ خطبات دیئے جو خطبات مدراس کے نام سے چھپے ہیں اور کئی زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی ہوا۔

۵۔ سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا:

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کی سوانح پر یہ بہترین کتاب ہے۔ جس کے بارے میں شاعر مشرق ڈاکٹر محمد اقبال نے علامہ سلیمان ندویؒ کو یہ خط لکھا۔ سیرت عائشہؓ کے لئے سراپا سپاس ہوں یہ ہدیہ سلیمانی نہیں سیرت سلیمانی ہے اس کتاب کے پڑھنے سے میرے علم میں بہت مفید اضافہ ہوا۔ خدائے تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔"

۶۔ عرب و ہند کے تعلقات:

یہ چند خطبات ہیں جو آپ نے ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد کی دعوت پر لکھے۔

۷۔ خیام:

یہ بھی علامہ سید سلیمان ندوی کا ایک مقالہ ہے جو آپ نے آل انڈیا اورنٹیل کانفرنس کے اجلاس پٹنہ میں پڑھا۔

۸۔ عربوں کی جہاز رانی:

سید سلیمان ندویؒ سے جب حکومت بمبئی کی کمیٹی کے شعبہ تعلیم نے فرمائش کی کہ عربوں کی جہاز رانی پر لیکچر دیں تو آپ نے اس موضوع پر چار لیکچر دیئے جو بہت مشہور ہوئے اس کا بھی کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

۹۔ نقوش سلیمانی:

اس کتاب میں اردو زبان و ادب اور اس کی تاریخ سے متعلق مضامین ہیں۔ یہ بھی اردو کانفرنسوں میں پڑھنے جانے والے معرکتہ الاراء خطبے ہیں یہ کتاب بھی بڑی مقبول ہوئی اور بعض یونیورسٹیوں کے اردو نصاب میں بھی داخل کی گئی۔

۱۰۔ رحمت عالم ﷺ:

علامہ سلیمان ندویؒ نے بچوں کے لئے سیرت نبوی پر ایک مختصر سی کتاب تالیف کی اس کا بھی کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

۱۱۔ حیاتِ شبلیؒ:

اپنے استاد علامہ شبلی نعمانیؒ کی سوانح عمری پر ۸۴۶ صفحات پر مشتمل یہ کتاب لکھی ہے۔ سوانح کے ساتھ ساتھ اس میں بہت اہم مضامین بھی شامل ہیں۔ چالیس سال تک آپ اپنی تحقیق وتصنیف سے لوگوں کو پر چھائے رہے۔ آپ کی تصانیف بہت مفید ہیں آپ کی تصانیف کے بارے میں علی میاںؒ فرماتے ہیں۔ ''یورپ اور ایشیا میں کئی کئی آدمی مل کر زندگی کی تمام راحتوں اور سہولتوں کے ساتھ بعض اوقات اتنا علمی و تصنیفی کام نہیں کر پاتے جس کو سید صاحب نے تنہا انجام دیا۔''

علامہ سید سلیمان ندویؒ کی سیاسی خدمات:

علامہ سید سلیمان ندوی کے سیاسی کردار کی بھی تفصیل بہت طویل ہے مختصر یہ ہے کہ ۱۹۱۵ء سے سیاسی تحریکات میں حصہ لینا شروع کیا۔

۱۹۱۹ء میں مجلس خلافت کا پہلا اجلاس لکھنو میں ہوا تو وہ بھی آپ کے زیر صدارت ہوا۔ اور آپ نے ایسی تقریر فرمائی کہ ارباب سیاست دیکھتے ہی رہ گئے۔

۱۹۲۰ء: مولانا محمد علی جوہرؒ کی قیادت میں مجلس خلافت کا ایک وفد جزیرہ عرب کے مقامات مقدسہ کے تحفظ اور ترکی کے معاملات میں انصاف طلبی کے لئے انگلستان بھیجا گیا اس میں بھی مذہبی رہنما کے طور پر سید سلیمان ندوی ہی ساتھ تشریف لے گئے۔

۱۹۲۰ء: میں جب ترک موالات کی تحریک شروع ہوئی تو اس میں بھی سید صاحب نے بھرپور حصہ لیا۔

۱۹۲۱ء: میں کانگریس کا ایک اجلاس احمد آباد گجرات میں ہوا۔ اس موقع پر آپ کو کانگریس ورکنگ کمیٹی کا ممبر چن لیا گیا۔

۱۹۲۴ء میں جب سلطان عبدالعزیز آل سعود نے شریف حسین کو شکست دے کر حجاز پر قبضہ کیا۔ تو وہاں جمہوری اور شرعی حکومت کے قیام کی کوشش کے لئے سید

سلیمان ندویؒ نے مولانا عبدالماجد بدایونی اور مولانا عبدالقادر قصوری کے ساتھ حجاز مقدس کا سفر فرمایا۔

۱۹۲۶ء: میں بھی آپ نے حجاز مقدس کا سفر کیا۔

آپ کی سیاسی بصیرت اور فراست کو دیکھ کر ایک مرتبہ مہاتما گاندھی نے کہا، یہ بڑا چالتر مولوی ہے۔"

تحریک پاکستان میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے ساتھ مل کر حصہ لیا۔

پاکستان کی طرف ہجرت:

پاکستان کے قیام کے بعد آپ ۱۴ جون ۱۹۵۰ء کو پاکستان میں کراچی شہر تشریف لے آئے۔ اور یہاں پر نظام اسلام کے لئے دن اور رات کوششیں کیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی وفات کے بعد جمعیت علماء اسلام کے صدر بھی منتخب ہوئے۔

۱۹۵۱ء: میں ہر مکتب فکر کے جید علماء کرام کے اجلاس کی صدارت فرمائی، اور یہ بائیس نکات پر مشتمل ایک دستوری خاکہ حکومت پاکستان کو پیش کیا۔

آخری ایام:

۱۹۳۵ء کو سید سلیمان ندوی پاکستان اسٹاریکل کانفرنس کی صدارت کے لئے ڈھاکہ تشریف لے گئے وہاں پر اردو اور بنگلہ زبان کے تنازعہ کے ختم کرانے کے لئے ایک بہت ہی دردمندانہ خطبہ دیا۔ واپسی پر جب کراچی پہنچے تو طبیعت خراب ہونے لگی۔ اور پھر مرض میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔

وفات:

طبیعت مسلسل خراب چل رہی تھی، جو بھی علاج ہوا، اس سے افاقہ نہیں ہوا، بالآخر ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء مطابق ۱۴ ربیع الاول ۱۳۷۳ھ کو ۷۱ کی سال کی عمر میں ہزاروں

عقیدتمندوں کو چھوڑ کر اس دار فانی سے منتقل ہو کر دار البقا میں پہنچ گئے۔

بہت آ کے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں۔

اناللہ وانا الیہ راجعون

نماز جنازہ:

نماز جنازہ جامعہ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ ڈاکٹر عبدالحیؒ نے پڑھائی۔

تدفین:

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے برابر میں اسلامیہ کالج جمشید روڈ کراچی کے احاطہ میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

تعزیتی پیغامات:

آپ کی شخصیت ایک ایسا خوشنما گلدستہ تھی کہ ہر ایک آپ سے اور آپ ہر ایک سے محبت فرماتے تھے خواہ وہ علماء میں سے ہو یا عوام میں سے، مسلم عرب ہو یا عجم ہو یا غیر مسلم، ملا ہو یا ماسٹر ہو، فقیر ہو یا امیر، شاعر ہو یا خطیب ہر ایک نے ان کے انتقال پر رنج وغم کا اظہار اپنے انداز میں کیا اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن جائے گی۔ یہاں پر بقدر ضرورت چند احباب کے تعزیتی پیغامات کو نقل کیا جاتا ہے۔

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے فرمایا:

''قرآن وحدیث وفقہ کلام وتصوف اور تاریخ اسلامی کے جس عنوان پر آپ نے قلم اٹھایا وہ اپنی مثال آپ ہے، آپ عربی، فارسی اور اردو کے ادیب شاعر تھے۔

مولانا ظفر احمد تھانویؒ نے فرمایا:

''مولانا سید سلیمان ندویؒ ایک جید عالم، محدث، مدبر اور محقق تھے۔''

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے فرمایا:

''وہ اپنے اوصاف وکمالات میں ائمہ اسلاف کی یادگار تھے۔

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے فرمایا:

سید صاحبؒ کے فاضل اجل اور عالم بے بدل ہونے کا ایک زمانہ قائل ہے دنیا کو مسلم ہے کہ فن تاریخ میں امام وقت تھے اور سیرت نگاری میں اپنی نظیر آپ تھے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

(خلیفہ حضرت حکیم الامت اشرف علی تھانویؒ)

اب نہ آیگا نظر ایسا کمال علم و فن
گو بہت آئیں گے دنیا میں رجال علم وفن

نام:

عبدالغنی والد کا نام شیخ عبدالوہاب بن شیخ امانت اللہ تھا۔

ولادت باسعادت:

آپ ۱۹۹۳ء میں اعظم گڑھ کے ایک گاؤں میں بہ چھاؤں کے رہنے والے تھے مگر آپ کی عمر کا اکثر حصہ قصبہ پھولپور میں گزرا۔ اس وجہ سے آپ پھولپوری مشہور ہیں۔ یہ پھولپور بہ چھاؤں سے گیارہ میل کے فاصلے پر ہے۔ شاہ عبدالغنیؒ حضرت حکیم الامتؒ سے صرف تیرہ سال چھوٹے تھے۔

تحصیل علوم:

ابتدا میں آپ کو ایک پرائمری اسکول میں داخل کر دیا گیا مگر پھر دو تین دن کے بعد ہی آپ کے دادا (۱) نے خواب میں والدہ ماجدہ (۲) کو ہدایت کی عبدالغنی کو علم دین پڑھاؤ۔

اس ہدایت کے بعد آپ کے والد عبدالوہاب نے آپ کو جونپور میں حضرت مولانا ابوالخیر مکیؒ کے پاس بھیج دیا۔ جو مولانا سخاوت علی خاںؒ کے بیٹے اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے خلیفہ تھے۔ وہاں پر شرح جامیتک کی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد مولانا سید امین نصیر آبادیؒ کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ اور پھر خان پور میں مدرسہ جامع العلوم میں مشکوۃ تک تعلیم حاصل کی۔ معمولات کی تعلیم کے لئے آپ مدرسہ عالیہ رام

پور تشریف لے گئے وہاں اس زمانے میں حضرت مولانا فضل حق صاحبؒ جیسے ماہر فن استاد موجود تھے۔ اور مدرسہ عالیہ میں ہی فن معقولات کے ساتھ ساتھ آپ نے مولانا قاری علی حسین خانؒ سے (جو قاری عبدالرحمٰن پانی پتیؒ کے شاگرد تھے جو شاہ اسحاق دہلویؒ کے شاگرد تھے) مسلم شریف کا کچھ حصہ اور تجوید کی بعض کتابیں پڑھیں، مدرسہ عالیہ سے درس نظامی کی سند حاصل کرنے کے بعد آپ گاؤنی تشریف لے گئے جہاں پر مولانا ماجد علی جونپوریؒ جو حدیث میں مولانا محدث گنگوہی کے شاگرد تھے اور مولانا یحییٰ (شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کے والد) کے ساتھ دو سال میں دورہ حدیث کی تکمیل کی۔ ان سے بھی احادیث پڑھیں اس کے بعد پھر آپ نے مولانا فضل حقؒ کی خدمت میں رہ کر دو سال مزید پڑھا۔

تدریس:

حضرت مولانا عبدالغنی صاحب ابھی مولانا فضل حق کے پاس تھے کہ مولوی عبدالماجد دریابادیؒ کے والد کا خط سیتاپور سے آیا کہ ایک مدرس اول کی ضرورت ہے۔ تو مولانا فضل حقؒ نے مولانا عبدالغنی کو وہاں بھیج دیا ہے مگر کچھ حالات کی وجہ سے مولانا عبدالغنی صاحب نے چند مہینے کے بعد استعفیٰ دے دیا۔ اس کے بعد مولانا مکی صاحبؒ کے بڑے صاحبزادے مولانا ابوبکر نے ان کو کان پور میں اپنے مدرسہ کے لئے بلایا اس وقت اس مدرسہ میں مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ بھی مدرس تھے۔ جس کو مولانا عبدالغنی صاحبؒ قبول فرمالیا اور پھر وہاں پر پانچ سال تک صدر مدرس رہے اور وہاں ایک ایک دن میں سولہ سولہ اسباق پڑھاتے تھے۔ جس میں بخاری اور ترمذی وغیرہ بھی شامل تھیں۔

مدرسہ روضۃ العلوم کی بنیاد:

۱۳۳۲ھ میں آپ نے پھولپور میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ اس مدرسہ کی بنیاد حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنے دست مبارک سے رکھی اور ارشاد فرمایا

کہ پھولپور کی مناسبت سے اس مدرسہ کا نام روضۃ العلوم رکھتا ہوں۔

مدرسہ بیت العلوم کی بنیاد:

۱۳۴۹ھ میں مولانا عبدالغنی صاحبؒ نے دوسرے مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ جو قصبہ سرائے میر میں عید گاہ کے متصل ہے۔ اس مدرسہ کی بھی سر پرستی مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے رہے۔ اور اس کا نام بھی حضرت حکیم الامت اشرف علی تھانویؒ نے رکھا اور فرمایا کہ سرائے کی مناسبت سے یہ نام اچھا معلوم ہوتا ہے اور بیت العلوم لفظ میں زیادہ انکساری ہے دارالعلوم کی نسبت اس لئے بیت العلوم نام تجویز فرمایا حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے مولانا عبدالغنی کو اس مدرسہ کے سلسلہ میں خط لکھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حکیم الامت کو اس مدرسہ سے کتنا لگاؤ تھا۔

وہ خط یہ ہے

بنام حضرت والا پھولپوری رحمہ اللہ مشفقی و مخلصی مولانا شاہ عبدالغنی سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ نے ضرورت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسا مدرسہ قائم کیا کہ میں ایسے مدرسہ کی سخت ضرورت سمجھتا ہوں اور اس کے تمام ہونے سے بہت مسرور ہوں اور اس کی اعانت کو واجب سمجھتا ہوں اور اعانت کی تحریک کو دلالت علی الخیر سمجھتا ہوں اور معاونین مخلصینکے لئے بھی دعا کرتا ہوں مگر چونکہ میں کل سفیروں کو جانتا نہیں ہوں نیز وہ ممکن ہے کہ بدلتے بھی رہتے ہیں۔ ان کی تصدیق کا یہ انتظام کافی سمجھتا ہوں کہ جس سفیر کے پاس آپ کا دستخطی اعلان ہو اس میں معتمد سمجھا جائے۔

اور اس سے باضابطہ رسید لے کر عطیہ بیت العلوم کے لئے دے دیا جائے۔

واللہ

المؤفق
اشرف علی تھانوی عفی عنہ
۵ شعبان ۱۳۵۲ھ

بیعت وسلوک:

۱۳۲۸ھ یکم ربیع الاول سے جب مخزن پور میں تدریس فرمانا شروع کی۔ تو ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے ہمراہ آپ سرائے میر ضلع اعظم گڑھ تشریف لے گئے۔ سرائے میر عیدگاہ میں حضرت حکیم الامتؒ کا وعظ ہوا۔ آپ اس وعظ کے بعد ہی عیدگاہ میں محراب کے اندر ہی حضرت حکیم الامتؒ سے بیعت ہوگئے۔ اور پھر ۱۳۳۲ھ میں یکم ربیع الاول کو ہی حضرت تھانوی نے اس کو خلافت سے بھی نوازا۔

سادگی:

حضرت شاہ عبدالغنی بھولپوریؒ بہت ہی سادہ طبیعت رکھتے تھے۔ آپ کی سادگی کے بارے میں حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں۔

مولوی عبدالغنی۔ پہلوان آدمی ہیں پھر علمی و عملی کمال جدا۔ مگر وضع سے مطلق نہیں معلوم ہوتا۔ کہ یہ کچھ ہیں۔ یہ ذکر کا اثر ہے ذکر عجیب چیز ہے۔ سب اصلاحیں اس سے ہو جاتی ہیں مولوی عبدالغنی اس قدر سادے ہیں یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ پڑھے لکھے بھی ہیں؟ ذکر بناوٹ کو تو بالکل اڑا ہی دیتا ہے۔

مولوی عیسیٰ صاحب بہت خوش پوشاک ہیں۔ کہتے ہیں کہ تزئین میں کیا حرج ہے یہ تو جمال ہے اور حدیث میں ہے ان اللّٰہ جمیلٌ و یحبُّ الجمال میں سنتا رہا بعد میں میں نے کہا مولوی صاحب یہ سب اسی وقت تک ہے جب تک حقیقت منکشف نہیں ہوتی اور جب حقیقت منکشف ہو جاوے گی تو اللہ جمیل و یحب الجمال سے استدلال رکھا رہ جاوے گا صحیح مفہوم اس کا سمجھ میں آجائے گا۔ چنانچہ وہ تھانہ بھون

میں رہے اب ان کی حالت دیکھئے اچکن اور گھڑی سب بھول گئے غریبوں کی سی وضع ہو گئی۔

جذبۂ جہاد:

حضرت مولانا عبدالغنی پھولپوری کو راہ خدا میں جان قربان کرنے کا بہت ہی جذبہ تھا اسی جذبہ کے تحت انھوں نے اپنے مدرسہ میں ایک استاد ذاکر حسین مجازی پوری کو رکھا کہ جو طلباء کو لاٹھی، تلوار، نیزہ وغیرہ سکھاتے۔

پہلوانی کا بھی شوق تھا اس لئے پہلوانی کے فن کو بھی فضل حسین خان سے با قاعدہ پہلوانی اور کشتی کے رموز سیکھے۔ پھر حضرت مولانا عبدالغنی صاحبؒ تھانہ بھون میں بھی بعض اہل علم کو لاٹھی چلانا سکھاتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت حکیم الامتؒ نے جب ان کو لاٹھی چلاتے ہوئے دیکھا تو دیکھ کر فرمایا کہ لاٹھی آپ کے ہاتھ میں تھی جوش مجھے آ رہا تھا۔

ایک موقعہ پر حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ ہمارے مولوی عبدالغنی ہزار آدمیوں کے مقابلے لئے تنہا کافی ہیں اور فرماتے کہ اگر ہم کو کبھی فوج کی ضرورت پڑے گی تو ہماری فوج اعظم گڑھ میں ہے۔ (کیونکہ مولانا عبدالغنی کا قیام اعظم گڑھ میں تھا)

جذبۂ عبادت:

شروع ہی سے عبادت کا بہت زیادہ شوق تھا۔ تہجد کے بعد، ۱۲ تسبیحات پڑھتے اور پھر فجر کی نماز کے بعد سے ۹ بجے تک بھولپور کی مسجد میں اپنے معمولات پورے کرتے رہتے اور کبھی تو گیارہ بجے تک وہاں ہی بیٹھے رہتے۔

عموماً ظہر کے وضو سے عشاء کی نماز پڑھتے تھے ظہر سے عصر تک تلاوت فرماتے، اور عصر کے بعد اگر کوئی آ جاتا تو کچھ ارشاد فرماتے اور پھر مغرب کے بعد عشاء تک تلاوت ہی میں مشغول رہتے۔

تصانیف:

حضرت مولانا عبدالغنیؒ کو ذوق تصنیف نہیں تھا ،مگر اس کے باوجود ان کے قلم سے یا ان کے افادت کی روشنی میں مندرجہ ذیل تصانیف وجود میں آئی ہیں

اصول الوصول:

یہ کتاب ۱۳۴۹ء میں حضرت تھانویؒ کے حکم سے تالیف فرمائی۔اس کتاب میں فیوض اشرفیہ اور مطب اشرفی کے نسخے۔رسالہ کی صورت میں جمع کئے ہیں حضرت تھانویؒ نے کتاب کی اہمیت کے پیش نظر اس کتاب کو اپنے خانقاہ تھانہ بھون میں داخل درس نصاب فرمایا تھا۔اس کے بعد حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ اس کی شرح بھی لکھو اس کا نام حصول الوصول میں رکھتا ہوں۔

معیت الہیہ:

یہ کتاب حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم نے حضرت مولانا عبدالغنیؒ کے ملفوظات کی روشنی میں ۱۳۸۰ء میں تحریر فرمائی۔اس کتاب میں یہ بتایا گیا ہے کہ قرب خداوندی کے حصول کے لئے محض ذکر و فکر اور علم و کتب بینی کافی نہیں ہے بلکہ اللہ والوں کی صحبت بھی ضروری ہے۔

(۳) ۔ملفوظات (حصہ اول دوم) یہ بھی حضرت مولانا شاہ حکیم احمد اختر صاحب نے حضرت عبدالغنی بھولپوریؒ کی مختلف مجالس کے ارشادات کو جمع کئے ہیں۔

(۴) براھین قاطعہ

اس میں حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کی تقاریر کو جمع کیا گیا ہے۔اس میں اللہ کی وحدانیت، رسالت اور قیامت کے آنے کی عقلی طور پر بحث کی گئی ہے جس کا انکار ملحدین بھی نہیں کر سکے۔

(۵) صراط مستقیم

اس کتاب میں اللہ کی معرفت اور محبت کے بارے میں بہت اچھا مضمون ہے۔

یہ کتاب ۱۳۸۱ھ میں طبع ہوئی اور اس کے بعد سے مسلسل طبع ہو رہی ہے۔

پاکستان کی طرف ہجرت:

قیام پاکستان کے کچھ عرصہ کے بعد پاکستان تشریف لے آئے تھے اور کراچی میں ہی آخری وقت تک قیام رہا اور کراچی ہی میں انتقال ہوا۔

آخری ایام:

۱۹۶۳ء میں جب کچھ طبیعت خراب ہوئی تو بعض لوگوں نے آب و ہوا کی تبدیلی کا مشورہ دیا اس کے پیش نظر آپ ۲۳ اپریل ۱۹۶۳ء کو کراچی سے لاہور تشریف لے گئے۔ وہاں پر آپ کے ایک معتقد غلام سرور صاحب کے یہاں قیام رہا۔ اور جب طبیعت صحیح ہونے لگی تو ۲ جون ۱۹۶۳ء کو غسل خانے جاتے وقت پاؤں ایسا پھسلا کہ کولھے کی ہڈی پر اثر آ گیا۔ ڈاکٹروں نے مکمل آرام کرنے کا مشورہ دیا مگر اس کے بعد طبیعت خراب ہی ہوتی چلی گئی کبھی پورے پورے دن بے ہوشی طاری رہتی آخری دنوں میں آپ یہ دعا فرماتے تھے۔ اَللّٰھم اغفرلی ذینبی و وسیع لی فی داری وبارک لی فی رزقی۔

۱۵ جون کو جب کچھ طبیعت میں افاقہ ہوا تو پھر فرمایا کہ کراچی لے چلو کسی نے کہا کہ حضرت ہندوستان تشریف لے چلیں گے۔ فرمانے لگے کہ نہیں کراچی لے چلو۔

پھر آپ ۲۶ جون ۱۹۶۳ء کو کراچی تشریف لے آئے اور ناظم آباد میں قیام فرمایا۔

درمیان میں کبھی کچھ طبیعت میں افاقہ ہو بھی جاتا مگر ایسا افاقہ نہیں تھا کہ جس سے عملی زندگی میں قدم رکھتے۔

آخری گفتگو:

آخری گفتگو حضرت مولانا عبدالغنی صاحبؒ نے مولانا نور احمدؒ داماد مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب سے فرمائی وہ یہ تھی کہ قبر میں کتنی دیر منکر نکیر سوالات کرتے

ہیں؟ برزخ میں کتنے دن رہنا ہوتا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہ تو مجھے نہیں معلوم، فرمایا کہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے معلوم کر کے بتا دینا۔ پھر ۱۲ ربیع الاول ۱۳۸۳ھ بمطابق ۱۲ اگست کو صبح طبیعت کچھ زیادہ خراب ہوگئی ڈاکٹروں نے انجکشن وغیرہ لگانا چاہا، مگر رگوں میں خون کی کمی کے باعث انجکشن نہیں لگ سکا۔

وصال:

۱۲ اگست کو سوا پانچ بجے شام ان پر بے ہوشی طاری ہوگئی۔ اور پھر چھ بجنے میں ابھی دس منٹ باقی ہی تھے۔ کہ حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمہ اللہ اپنے ہزاروں معتقدین کو روتا ہوا چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی کے پاس چلے گئے۔

بقول شاعر:

چھپ گیا آفتاب شام ہوئی
اک مسافر کی راہ تمام ہوئی

تجہیز و تکفین:

انتقال کے فوری بعد تجہیز و تکفین شروع کر دی گئی، آپ کے خلیفہ اجل حضرت مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے اپنے ہاتھوں سے سنت کے مطابق تجہیز و تکفین کیا۔

نماز جنازہ:

نماز جنازہ آپ کے قدیم دوست اور آپ کے پیر بھائی حضرت حکیم الامتؒ کے خلیفہ عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمہ اللہ علیہ نے رات کو ساڑھے گیارہ بجے پڑھائی۔

جنازے میں اکابرین علماء جس میں حضرت محدث العصر مولانا یوسف بنوریؒ مولانا احتشام الحقؒ اور بہت سے دوسرے علماء و طلباء اور بڑی تعداد میں عوام نے نماز جنازہ ادا کی۔

تدفین:

آپ پاپوش نگر کے قبرستان میں بوقت ۱۲ بجے رات کو زیر خاک کر دیئے گئے۔ آپ کی قبر صدر دروازے کے داہنی طرف ہے اور قبر دو مسجدوں کے درمیان میں ہے ایک طرف مسجد ذکیہ ہے تو دوسری طرف جامعہ مسجد گلزار سعید ہے اور اس کے برابر میں اب ان کے خلیفہ مفتی رشید احمد لدھیانویؒ کی قبر بھی بن گئی ہے۔

حضرت مولانا سید طلحہ صاحب حسینی رحمہ اللہ

(پھوپھا حضرت ابوالحسن علی ندویؒ)

لو كانت الدنيا تدوم لواحد

لكان رسول الله فيها مخلدا

نام: سید طلحہ

والد کا نام: سید محمد تھا۔ جو ریاست ٹونک میں معتمد الملک ظفر جنگ کے لقب سے جانے جاتے تھے۔ مختار اور ناظم پرگنات (کلکٹر) کے عہدے پر فائز تھے۔ اور والد شہیدؒ محمد صاحب یہ حضرت سید احمد سید کے بڑے بھانجے مولانا شہیدؒ محمد علی صاحبؒ کے حقیقی پوتے تھے۔ اور یہ مفکر الاسلام حضرت ابوالحسن علی ندویؒ کے حقیقی پھوپھا تھے۔

ولادت:

۱۳۰۸ھ مطابق ۱۸۹۸ء میں محلہ قافلہ ٹونک میں پیدا ہوئے۔

تحصیل علوم:

ابتدائی تعلیم قافلہ ٹونک میں ہی حاصل کی۔

۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۸۷ء میں جب مولانا سید عبدالحئیؒ صاحب ندوۃ العلماء سے قافلہ ٹونک میں آئے۔ تو ساتھ میں سید طلحہ کو ندوۃ العلماء لے گئے۔ اور پھر وہاں کئی سال تک تعلیم حاصل کی۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ سید محمد علی مونگیریؒ ناظم ندوۃ العلماء تھے اور علامہ شبلی نعمانیؒ بھی حیات تھے اور قابل فخر استاد مولانا محمد فاروق چریا کوٹیؒ صدر مدرس تھے، اور سید سلیمان ندویؒ اس زمانے میں طالب علم تھے۔ ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد پھر اپنے شہر ٹونک میں مدرسہ ناصریہ میں حضرت مولانا سیف الرحمٰن مہاجر کابل اور حضرت مولانا شیخ الحدیث مولانا حیدر حسن خان سے مزید علوم کی تکمیل

کی۔

دینی علوم کے حاصل کرنے کے بعد دہلی میں جا کر حکیم غلام رضا خان سے طب کا علم حاصل کیا۔

مولوی فاضل و منشی فاضل کا امتحان:

اس زمانے میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل، اور منشی فاضل کے امتحان کا بہت زیادہ رجحان تھا اور یہ بہت مشکل سمجھا جاتا تھا، اور اس کے کرنے والوں کو بہت قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ مولانا سید طلحہؒ نے بھی یہ امتحان دیا اور مولوی فاضل کے امتحان میں وہ اول آئے اور پھر پنجاب ہی سے ایم اے بھی کیا۔

تدریس:

۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۱۶ء میں مولوی فاضل میں اول آنے کی وجہ سے ان کا اورینٹل کالج لاہور میں استاد کی حیثیت تقرر کر لیا گیا اور پھر چالیس سال تک آپ یہاں ہی تدریس کرتے رہے۔

حافظہ:

اللہ جل شانہ نے مولانا سید طلحہؒ کو غیر معمولی حافظہ عطا فرمایا تھا۔ ان کو عبارتوں کی عبارتیں حفظ یاد تھیں۔ اور حضرت مولانا کئی زبان کے ماہر تھے اس لئے عربی، انگریزی، فارسی ادب کی کتابیں ان کو حفظ تھیں۔ چار ماہ کی قلیل مدت میں قرآن پاک کو حفظ یاد کر لیا۔ قرآن شریف یاد بھی خوب تھا اور تراویح میں سنانے کا بہت ہی اہتمام کرتے تھے۔

حج بیت اللہ:

۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۶ء میں حج بیت اللہ کی سعادت بھی حاصل کی۔ اسی سال میں موسم حج میں سلطان ابن سعود نے موتمر الاسلامی کے اجلاس کروایا اور اس میں

شرکت کے لئے بڑے بڑے علماء اور مشاہیر کو مدعو کیا۔ ان علماء میں مولانا محمد علی جوہرؒ ، مولانا شوکت علیؒ جوہرؒ مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا ظفر علی خانؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مفتی کفایت اللہؒ وغیرہ، نے شرکت کی۔ ان میں مولانا سید طلحہؒ صاحب بھی شامل تھے۔

ذوق مطالعہ:

ان کی اصلی غذا کھانا نہیں تھا، بلکہ ان کی غذا کسی نئی کتاب کا ہاتھ لگ جانا تھا۔ کیونکہ وہ ہر وقت هَلْ مِنْ مَزِيد، اور هَلْ مِنْ جَدِيْد کی فکر میں رہتے تھے۔ اور مطالعہ میں بہت ہی زیادہ ہوتے ادھر ادھر کی کوئی فکر ہی نہیں رہتی تھی اور مطالعہ کے وقت میں لال قلم ہاتھ میں ہوتا اور اہم مقامات پر نشان لگاتے جاتے تھے تاکہ بعد میں ان مقامات کو دیکھنے کی ضرورت پڑے تو آسانی رہے۔

بخاری شریف سے حضرت مولانا سید طلحہؒ صاحب کو بے حد محبت وعقیدت اور عشق تھا۔ اس کے مطالعہ سے ان کو کبھی سیرابی نہیں ہوتی تھی اسی طرح سے فقہ میں ہدایہ کے عاشق تھے۔ فرماتے تھے کہ اس کے پڑھنے سے فقہ حنفی سے مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ تفاسیر میں کشاف کے بڑے دلدادہ تھے۔ ادبیات واشعار سے بھی بڑا گہرا تعلق تھا، اس لیے شعراء عجم وعرب کے بڑے شیفتہ تھے۔ نیز علامہ شبلیؒ کے طرز تحریر کے بھی معترف تھے۔

عادات واخلاق:

مولانا سید طلحہ صاحبؒ کی ایک عادت یہ تھی کہ وہ غلطی کو بہت ہی مشکل سے معاف کرتے تھے۔ بسا اوقات ہفتوں تک اس غلطی پر ملامت فرماتے رہتے تھے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ غلطی کرنے والا پھر وہ غلطی دوبارہ کرنے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔

اسی طرح ان کی ایک عادت یہ بھی تھی کہ نماز میں کوئی بڑا ہو یا چھوٹا تعدیل ارکان میں کمی کرتا تو نماز سے فراغت کے بعد اس کو ضرور نصیحت فرماتے۔ اسی طرح

اگر کسی کے ٹخنے سے نیچے شلوار وغیرہ ہوتی، تو اس کو ضرور ٹوکتے اور فرماتے کہ جو حصہ تم زمین پر لٹکاتے ہو اس سے تو مجھ غریب کی ٹوپی بن سکتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی مجلس و محفل میں ساز یا باجہ ہوتا، تو اس میں ہرگز شرکت نہیں فرماتے تھے۔ یا اٹھ کر وہاں سے تشریف لے آتے۔

اسی طرح ان کا ایک ذوق اور شوق مجلس آرائی علمی و تاریخی تذکروں کا بھی تھا۔ رات کو دیر سے سوتے۔ اس وجہ سے ان کو رات میں مستقل دیر سے سونے کی عادت ہوگئی تھی۔ جو احباب جلد سونے کے عادی ہوتے تو ان کے لئے یہ رات کی مجلس بڑی آزمائش کی چیز بن جاتی۔

سید طلحہؒ کی پسندیدہ شخصیات:

سید طلحہؒ حسینی صاحب ایک گہرے، اور وسعت مطالعہ اور معلومات والے شخص تھے۔ اس لئے وہ جلدی کسی سے متاثر بھی نہیں ہوتے تھے بہت ہی کم شخصیات ایسی تھیں جن کی تعریف کرتے ہوئے ان سے سنا گیا۔

۱۔ ان میں سے پہلی شخصیت علامہ امام العصر حضرت مولانا انور سید محمد شاہ کشمیریؒ کی ہے سید طلحہ صاحبؒ ان کے وسعت مطالعہ اور وسیع معلومات کے قائل تھے۔ جب انور شاہ کشمیریؒ اپنے گھر کشمیر تشریف لے جاتے تو سید طلحہؒ ان کا انتظار لاہور میں کرتے۔ پھر بہت اہتمام سے ملاقات کرتے۔

۲۔ دوسری شخصیت جس سے سید طلحہؒ متاثر تھے وہ ان کے استاد مولانا سیف الرحمٰنؒ تھے ان کے تقویٰ اور زہد کا تذکرہ اکثر فرماتے۔

۳۔ اپنے خاندان کی دو علمی شخصیات مولانا سید محمد عرفان جو سید احمد شہید کے حقیقی نواسے بھی تھے اور ان کے چھوٹے بھائی مولانا سید مصطفیٰ صاحبؒ کے بھی بڑے معتقد تھے۔

۴۔ اسی طرح حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے والد محترم حضرت مولانا حکیم سید عبدالحیؒ کی شخصیت و علمی کمالات سے بھی متاثر رہے۔

۵۔اسی طرح حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ صاحب کا تذکرہ بھی بلند الفاظ سے کرتے تھے۔

۶۔حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بھی عقیدت اور محبت تھی بلکہ ان سے مزاح بھی فرماتے۔

۷۔حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتابوں کی نافعیتکے بھی قائل تھے۔

۸۔حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ (بانی تبلیغی جماعت) کے بھی اخلاص کے بہت زیادہ قائل تھے۔

اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ بھی ان کا بہت زیادہ اکرام فرماتے تھے۔

جب ۱۹۴۳ء میں سید طلحہ صاحبؒ نظام الدین تبلیغی مرکز میں مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے ملنے گئے۔ تو حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے ایسا احترام کیا۔ جو بہت ہی کم لوگوں کو دیکھا گیا۔ سردیوں کا زمانہ تھا انگیٹھی ذرا فاصلہ پر رکھوائی اور دستر خوان بچھایا گیا اور مولانا محمد الیاسؒ ایک ایک روٹی گرم کر کے لاتے اور خود پیش کرتے۔

۱۰۔اسی طرح اورنٹیل کالج کے وائس پرنسپل و محقق مشرقیات، واسلامیات مولوی محمد شفیع صاحب ایم اے کینیٹ سے بھی متاثر تھے۔

۱۱۔شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ سے بھی بڑے گہری دوستی رہی۔

۱۲۔حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے بھی بڑی عقیدت وارادت رکھتے تھے۔

اور ان کو بھی سید طلحہ حسینی سے تعلق تھا مولانا احمد لاہوریؒ کی عادت یہ تھی کہ وہ کھانے پینے میں بہت زیادہ احتیاط فرماتے۔ رمضان اور خاص کر کے آخری عشرے میں تو بہت ہی زیادہ اس کا اہتمام فرماتے، کہ کسی دوسرے کے گھر کا کھانا نہیں تناول فرماتے، مگر سید طلحہ صاحب آخری عشرے میں بھی ان کو جب دعوت دیتے تو حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ ان کی دعوت کو قبول فرما لیتے تھے۔

پاکستان کی طرف ہجرت:

۱۹۴۸ء میں سید طلحہ صاحب لکھنو سے پاکستان منتقل ہو گئے۔ اور پھر کراچی میں مستقل قیام فرمالیا۔ پاکستان آنے کے بعد صرف دو مرتبہ وہ ہندوستان تشریف لے گئے ایک ۱۹۵۰ء میں اور دوسرا ۱۹۵۵ء میں۔

کراچی میں مولانا سید طلحہ حسینیؒ دارالتصنیف لمیٹڈ تبلیغی کالج مواچھ گوٹھ سے منسلک ہو گئے تھے۔ یہ ادارہ مولانا طفیل احمدؒ کا تھا مولانا طفیل احمدؒ ان کے بڑے قدردان تھے۔ مولانا سید طلحہ حسینیؒ کا کام یہ تھا کہ اس ادارے کے تحت ہونے والے ترجمہ قرآن انگریزی پر نظر ثانی کریں، اور اپنی وسیع و گہری دینی ولسانی واقفیت کی روشنی میں مشورہ دیں۔

تصنیف وتالیف:

اس بارے میں حضرت علی میاںؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ان کا اصل ذوق کتابوں کا مطالعہ اور معلومات میں اضافہ تھا۔ ان کو تصنیف و تالیف سے کچھ زیادہ مناسبت نہ تھی۔ اس لئے انھوں نے تصنیف و تالیف کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی۔ مگر اس کے باوجود چند کتابیں تصنیف فرمائیں۔

سیرت ام المومنین ام سلمہؓ:

(ا) نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ والی ریاست کی فرمائش پر حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی سیرت لکھی۔ مگر افسوس کہ وہ چھپ نہ سکی۔

لغت کا کام:

۲۔ لاہور کے قیام ۱۹۲۹ء میں پنجاب ایڈوائزری بورڈ فارلکس نے ولیم ٹالس وزٹے باٹ کی لغت کو اردو میں منتقل کرنے کا کام ان کے سپرد کیا جس کو انھوں نے بہت اہتمام کے ساتھ کام کیا جس کے شروع میں ۳۲ صفحات کا فاضلانہ مقدمہ بھی تھا۔ یہ لغت ۱۹۳۸ء میں لکھی بھی مگر افسوس کہ اس میں حضرت سید طلحہؒ کے کہیں نام کا ذکر

تک نہیں کیا گیا۔

۳۔ عہد صحابہؓ کے تمدن و معاشرت اور علمی زندگی۔

یہ کتاب انھوں نے بہت ہی زیادہ محنت سے سالہا سال کی محنت و مشقت کے ساتھ لکھی۔ اس کے لئے انھوں نے حجاز مقدس۔ مصر شام و ترکی کے کتب خانوں کا سفر بھی کیا۔ وہاں کے کتب خانوں سے خوب استفادہ بھی کیا۔ مگر وہ بھی آج تک چھپ نہ سکی۔ جو کہ ان کی علمی یادگار کتاب تھی۔

صرف ونحو پر کتابچہ

۴۔ صرف ونحو ان کو بہت ہی راسخ تھے بلکہ اس کے وہ امام سمجھے جاتے تھے اس پر انھوں نے ایک کتابچہ لکھا جس سے وہ پڑھنے والوں کو مشق کراتے تھے۔

آخری ایام:

آخری ایام میں ان پر پے در پے حوادث آئے۔ جس سے ان کی زندگی بے لطف ہوگئی۔ ایک طرف ان کے بھائی جن کا نام سید محمد عمر تھا جن سے ان کو بڑی محبت تھی ان کا انتقال ہوگیا۔ دوسری طرف ان کی ہمشیرہ کا اچانک ۱۹۶۸ء میں انتقال ہوا۔ اور پھر اس کے بعد دوسرے بھائی سید زبیر حسینی کا انتقال ہوگیا اور پھر سب سے چھوٹے بھائی سید محمد علی رحلت فرما گئے۔ ان پے در پے صدموں نے ان کی کمر توڑ دی اور پھر اہلیہ کا بھی انتقال ہوگیا۔

ان کے آخری ایام کے بارے میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ اہل کراچی کے دیندار اور اہل ثروت کو عقل و توفیق سے بہرہ یاب فرماتا تو ایسے صاحب کمال اور جامع صفات عالم کو عزت و سکون کے ساتھ اپنے گھر میں بیٹھ کر اور آزادی کے ساتھ مطالعہ و افادہ میں مصروف رکھ کر بالاطمینان زندگی گزارنے کا موقع مراہم فرماتے لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ یہ زمانہ ان کے بڑے تفکر میں گزرا جس کا قلق ہم سب عزیزوں اور شاگردوں اور احسان مندوں کو عمر بھر رہے گا۔

ایک دوسری جگہ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں کہ آج اگرچہ آپ (سید طلحہؒ) اس دنیا میں نہیں ہیں بے شک آپ پر ایسے حجابات پڑے رہے کہ آپ کے گرد و پیش بسنے والوں نے آپ کو نہیں پہچانا اور آپ کی قدر و منزلت کو نہیں مانا۔

وما كان قيس هلكه هلك واحد
ولكنه بنيان قوم تهدما
قیس کا مرنا صرف ایک آدمی کا مرنا نہیں
ہے بلکہ پوری قوم کی بنیاد کا گر جانا ہے

انتقال:

۲۳ رجب ۱۳۹۰ھ مطابق ۲۵ ستمبر ۱۹۷۰ء جمعہ کے دن دس بجے اس دارالحزن سے رخصت ہو گئے۔

تدفین:

تبلیغی کالج کے قریب ہی مجاہد آباد کالونی کے قبرستان میں۔

اس جامع صفات شخصیت کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ حضرت ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں کہ دفن کرنے والوں میں بہت ہی کم لوگوں کو اس کا حقیقی علم اور ادراک ہوگا کہ وہ کس جامع کمالات ہستی، قدیم و جدید مشرقی و مغربی علوم اور عقلیات کے کس مجمع البحرین اور علم و معلومات کے کس خزانہ کو جو عمر بھر کنز مخفی رہا ہمیشہ کے لئے زمین میں دفن کر رہے ہیں اور کراچی کے اس شہر کو خطاب کر کے جو ہمیشہ سے صرف ایک بڑا تجارتی مرکز رہا ہے اور اب بھی علم و کمال کا حقیقی طور پر جوہر شناس نہیں ان کو غالب کا یہ شعر سنانا صحیح ہوگا۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنجہائے گرانمایہ کیا کئے

(۱)

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

(خلیفہ اجل حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ)

وما كان قيس هلكه هلك واحد

ولكنه بنيان قوم تهدما

نام: ظفر احمد: والد کا نام شیخ لطیف احمد عثمانی۔ دادا کا نام: شیخ نہال احمد عثمانی

ولادت: ۱۳ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ کو دیوبند ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔

پرورش:

تین سال کی عمر میں والدہ ماجدہ کا انتقال ہوگیا اس لئے آپ کی پرورش دادی صاحبہ نے فرمائی اور آپؒ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حقیقی بھانجے بھی تھے اس لئے حضرت تھانویؒ کی ابتدا سے ہی ان پر نظر رہی اور ان کی نگرانی میں رہے۔

تحصیل علوم:

سات سال کی عمر میں قرآن مجید پڑھنا شروع کیا اور ناظرہ قرآن آپ نے دیوبند مدرسہ میں حافظ محمد صاحب اور حافظ غلام رسول صاحب کے پاس پڑھا اور حفظ قرآن تو آپ نے جوان ہو کر کیا جب کہ آپ کی عمر ۲۴ سال کی تھی چھ ماہ کے عرصہ میں مولانا حافظ عبداللطیف سے حفظ کی تکمیل کی۔ نو سال کی عمر سے درس نظامی کی ابتدائی کتابیں بھی آپ نے دارالعلوم دیوبند میں پڑھنا شروع کر دی تھیں۔

حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کی ان پر خصوصی توجہ تھی اس لئے انھوں نے بارہ سال کی عمر میں اپنے پاس تھانہ بھون میں بلالیا۔ پھر وہاں پر آپ نے منشی شوکت علی سے فارسی ادب وغیرہ کی کتابیں پڑھیں اور مولانا محمد عبداللہ گنگوہیؒ سے عربی ادب صرف ونحو کی کتابیں پڑھیں اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے خود علم

تجوید کی بعض کتابیں اور مثنوی کے کچھ حصے تلخیصات العشر کے کچھ حصے پڑھائے۔

مدرسہ جامع العلوم خان پور میں داخلہ:

۱۳۲۳ھ میں جب حضرت حکیم الامت نے قرآن مجید کی تفسیر "بیان القرآن" لکھنا شروع کی جس میں مشغولیت بہت زیادہ بڑھ گئی تو اپنے اس بھانجے پر توجہ کے لئے وقت نکالنا مشکل ہوگیا تو آپ نے ان کو خان پور کے مدرسہ جامع العلوم میں داخل کر دیا جہاں پر پہلے حضرت تھانوی خود بھی پڑھا چکے تھے اور ان کے شاگردوں کا فیض جاری تھا جس میں مولانا محمد اسحٰق پردوانی اور مولانا محمد رشید کانپوری نے پوری توجہ دی۔ اس مدرسہ میں آپ نے درس نظامی کی پوری کتابیں پڑھیں اور دورہ حدیث بھی یہیں سے کیا۔

مظاہر العلوم میں داخلہ:

علوم عقلیہ منطق وفلسفہ علم ہیئت کی کچھ کتابوں کی تکمیل کے لئے حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی نے اپنے ماموں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے مشورہ کیا اور مشورہ میں یہ طے ہوا کہ یہ کتابیں حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری مدرسہ مظاہر العلوم سے پڑھی جائیں۔ تو اس کے لئے مدرسہ مظاہر العلوم میں داخلہ لے کر یہ کتابیں پڑھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری کے درس بخاری میں بھی بیٹھتے تھے اور آپ ۱۳۲۸ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم سے بھی فارغ ہو گئے ابھی آپ کی عمر صرف ۱۸ سال کی ہی تھی۔

بیعت:

آپ سہارن پور کے دور طالب علمی میں ہی حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری سے بیعت ہو گئے تھے۔

تدریس:

آپ نے متعدد مدارس میں تدریس فرمائی۔

(۱) سب سے پہلے آپ جب مظاہر العلوم سے فارغ ہوئے تو ۱۳۲۹ھ میں آپ کی غیر معمولی استعداد کو دیکھتے ہوئے وہاں کے اساتذہ نے آپ کو مدرس رکھ لیا وہاں پر آپ نے مشکوۃ شریف تک کی کتابیں پڑھائیں مظاہر العلوم میں آپ نے سات سال تک تدریس فرمائی۔

(۲) اس کے بعد آپ نے دو سال تھانہ بھون کے قریب مدرسہ ارشاد العلوم گڑھ پختہ میں متعدد کتابیں پڑھانے کے ساتھ ساتھ بخاری و مسلم کا بھی درس دیا۔

(۳) ۱۳۳۹ھ سے آپ تھانہ بھونمیں ہی مدرسہ امداد العلوممیں مقیم ہوگئے۔ یہاں پر دوسری مصروفیات کے ساتھ ساتھ تدریس بھی فرمائی یہاں پر بھی آپ نے دوسرے علوم وفنون کی کتابیں پڑھانے کے ساتھ ساتھ دورہ حدیث کی کتابوں کا بھی درس دیا۔

(۴) پھر اڑھائی سال آپ نے برما، رنگون میں پڑھایا اور پھر آپ مدرسہ راندیریہ تشریف لے گئے۔

(۵) ۱۳۵۸ھ میں ڈھاکہ یونیورسٹی میں آپ کو پروفیسر دینیات مقرر کیا گیا اس عرصہ میں آپ نے وہاں پر بخاری شریف، مسلم شریف، اور ہدایہ وغیرہ کا درس دیا۔

(۶) اسی عرصہ میں آپ ڈھاکہ میں ہی مدرسہ اشرف العلوم میں بھی بلا معاوضہ تدریس فرماتے رہے۔ یہاں پر بھی آپ نے بخاری شریف، موطا امام مالک،، مثنوی مولانا روم کا کامیاب درس دیا۔

(۷) ڈھاکہ میں جب جامعہ قرآنیہ کا قیام وجود میں آیا تو آپ وہاں پر شیخ الحدیث رہے اور وہاں پندرہ سال تک بخاری شریف کا درس بھی دیا۔

(۸) آپ نے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تعطیلات گرمی میں ترمذی شریف کا درس دیا۔

(۹) ۱۹۴۸ء پاکستان بننے کے بعد مدرسہ عالیہ ڈھاکہ میں آپ کو صدر مدرس بنایا گیا آپ یونیورسٹی سے وہاں منتقل ہوگئے۔ یہاں پر بھی آپ بخاری شریف،

الاشباہ والنظائر، اصول، وغیرہ کے سباق پڑھائے۔

(۱۰) ۱۹۵۴ء میں آپ مغربی پاکستان تشریف لے آئے اور پھر یہاں پر دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار میں شیخ الحدیث بنے اور پھر یہیں کے ہوکر رہ گئے اور کہیں نہیں گئے۔

تصانیف:

آپ کی تصنیفی خدمات کے سلسلہ میں جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں۔ کہ آپ کی تصنیفی خدمات ایسی ہیں کہ جو آج کے دور میں بڑی بری اکیڈمیاں سالہا سال کی محنت اور لاکھوں روپے خرچ کر کے بھی انجام نہیں دے سکیں۔

آپ کو اللہ نے تمام ہی علوم وفنون میں کمال عطا فرمایا مگر علم حدیث اور علم تفسیر اور علم فقہ میں آپ کی تصانیفیں نظیر ہیں۔

علم حدیث:

اس میں آپ نے اعلاء السنن تصنیف فرمائی جو اٹھارہ ضخیم جلدوں کے علاوہ دو مقدمے جن کا نام انجصار السکن، اور انجاء الوطن کے ساتھ، تقریباً چھ ہزار صفحات پر مشتمل ہے یہ کتاب بیس سال کے عرصہ میں تھانہ بھون کیقیام کے دوران لکھی گئی۔ اس میں احادیث کو فقہی ابواب کی ترتیب سے جمع فرمایا ہے اس کارنامے کو دیکھ کر اہل علم ششدر رہ گئے۔

اس کتاب کے بارے میں مصر کے محقق عالم دین شیخ زاہد الکوثریؒ فرماتے ہیں۔ اعلاء السنن کے مولف علامہ ظفر احمد عثمانی جو اس دور کے عظیم محدث، مفسر، محقق، مدبر، مدقق، فقیہ اور عارف کامل ہیں ان کی علمی قابلیت ومہارت کو دیکھ کر میں حیران رہ گیا یہ کتاب فن حدیث پر ایک قابل دید اور قابل رشک کتاب ہے جو اس مستند عالم کا کارنامہ ہے اور کسی کے بس کا کام نہیں ہے۔"

اسی طرح محدث العصر سید محمد یوسف بنوریؒ اس کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں۔

''حضرت علامہ عثمانیؒ کی تصانیف میں اعلاء السنن کے علاوہ اگر کوئی اور تصنیف نہ بھی ہوتی تو تنہا یہ کتاب ہی علمی کمالات، حدیث وفقہ الرجال کی قابلیت اور مہارت اور تکنت وتحقیق کے ذوق قیمت وعرق ریزی کے سلیقہ کے لئے برھان قاطع ہے۔ اعلاء السنن کے ذریعے حدیث وفقہ خصوصا مذہب حنفی کی وہ قابل قدر خدمت کی جس کی نظیر ملنا مشکل ہے یہ کتاب ان کی تصانیف کی شاہکار اور فنی تحقیقی ذوق کا معیار ہے اور یہ وہ قابل قدر کارنامہ ہے جس پر جتنا رشک کیا جائے کم ہے حضرت عثمانیؒ نے اس کتاب کے ذریعے جہاں علم پر احسان عظیم کیا ہے وہاں علماء حنفیہ قیامت تک ان کے مرہون منت رہیں گے۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ (مہتمم اکوڑہ خٹک) اس کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں۔

''حق تعالیٰ نے حضرت عثمانیؒ کو حدیث رسول کی خدمات جلیلہ سے نوازا تھا اور پھر حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ جیسے مرشد وہادی کی رہنمائی میں علمی خدمات انجام دینے کا حق تعالیٰ نے جو موقعہ نصیب فرمایا اور آپ نے اپنی ذہانت اور تبحر علمی کی بدولت احادیثمبارکہ سے مذہب حنفی کی تائید وتقویت کا عظیم الشان کارنامہ اعلاء السنن جیسی شہرہ آفاق تالیف کی شکل میں انجام دیا جس پر حنفی دنیا بالخصوص اور تمام علمی دنیا بالعموم ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی خود اس کتاب کے سلسلہ میں فرماتے ہیں ''اس کتاب کے علاوہ مولانا ظفر احمد کی اگر کوئی اور کتاب نہ بھی ہوتی تب بھی اپنی فضیلت وکرامت کے اعتبار سے ہی یہ ان کے علمی مقام کے لئے بڑی دلیل ہے۔''

اور بھی متعدد علماء نے اس کتاب کے بارے میں بہت اچھے تاثرات کا اظہار فرمایا ہے مگر یہاں ان کے مختصر حالات میں ان سب کا جمع کرنا مشکل ہے۔

علم فقہ:

علم فقہ میں ان کی عظیم یادگاران کے فتاویٰ ''امدادالاحکام'' کا مجموعہ ہے جب حکیم الامتؒ نے فتویٰ لکھنا چھوڑ دیا تھا تو خانقاہ تھانہ بھون میں آنے والے تمام سوالات کا جواب حضرت مولانا ظفر احمد عثانیؒ ہی لکھا کرتے تھے۔ جو سات ضخیم رجسٹروں میں محفوظ ہیں جس کے بارے میں حضرت حکیم الامت اشرف علی تھانویؒ کی رائےجو امدادالاحکام کے سروق پران الفاظ میں چھپی ہوئی ہے۔

بعدالحمد والصلوۃ عرض ہے کہ ۱۳۴۰ھ میں جب برخودار مولوی ظفر احمد سلمہ بقصد قیام مستقل تھانہ بھون آئے تو منجملہ اور کاموں کے میں نے فتاویٰ کا کام بھی ان کے سپرد کر دیا کیونکہ کثرت مشاغل کی وجہ سے مجھے کتابوں کی تلاش وتفتیش کی فرصت نہ ہوتی تھی برخودار سلمہ ہراس فتویٰ کوجس میں کچھ بھی کسی حیثیت سے اہمیت ہوتی تھی اول بالالتزام مجھے دکھالیتے تھے اور معمولی فتاویٰ خود لکھ دیتے تھے خدا کے فضل سے فتاویٰ کے کام کوانھوں نے باحسن وجوہ انجام دیا اور بعد چند جب دیکھا گیا کہ ماشاء اللہ فتاویٰ نہایت تحقیق سے لکھے جاتے ہیں اور بحمداللہ ہر ہر پہلو پر نظر کافی ہو جاتی ہے تو پھر سب فتاویٰ کے دکھلانے کی ضرورت نہ سمجھی گئی ہاں پھر بھی اکثر فتاویٰ میں مجھ سے مشورہ کر لیتے تھے اور بعض فتاوٰی کودکھلا بھی لیتے تھے چنانچہ یہ مجموعہ جناب کے سامنے ان ہی فتاوٰی کا مجموعہ ہے اس میں اگر چہ سب میرے دیکھے ہوئے نہیں ہیں بلکہ برخودار سلمہ کے فتاویٰ پر مجھے تقریباً ایسا ہی اطمینان ہے جیسا خود اپنے لکھے ہوئے فتاویٰ پراسی لئے اس کا نام امدادالاحکام ضمیمہ امدادالفتاویٰ تجویز کرتا ہوں۔''

علم تفسیر:

علم تفسیر میں آپ کی عظیم یادگار احکام القران ہے یہ کتاب بھی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے فرمانے پر شروع کی گئی تھی۔ واضح رہے کہ احکام القرآن کو چار حضرات نے مل کر مکمل کیا ہے۔ پہلی دو جلدیں جو سورت فاتحہ سے سورت نساء تک کی ہیں۔ یہ حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ نے لکھیں۔ درمیان کی دو جلدیں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے لکھیں اور آخری جلد

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے لکھی۔
واضح رہے یہ احکام القران پر لکھی جانی والی کتابوں کا مجموعہ ہے۔

دیگر تصانیف:

اس کے علاوہ اور بھی متعدد تصانیف آپ کی ہیں ان میں سے چند کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

(۱) تلخیص البیان۔ (۲) القول المیسور فی تسہیل (۳) القول الماضی فی نصب القاضی (۴) کشف الذھبی عن وجہ الربوا (۵) فتح الظفر (۶) اسباب المحمودیہ (۷) البیان المشیر (۸) حرام الحاص (۹) انکشاف الحقیقت (۱۰) القول المنصور (۱۱) حقیقت معرفت (۱۲) الظفر الجلی باشرف العلی (۱۳) تحذیرا المسلمین عن مولاہ الشرکین (۱۴) تردید پرویزیت (۱۵) فاتحہ العلام فی القراۃ خلف الامام (۱۶) برآعت عثمان (۱۷) فضائل سید مرسلین (۱۸) ولایت محمدیہ کا راز (۱۹) معاویہ بن ابو سفیان (۲۰) فضائل جہاد (۲۱) فضائل القرآن (۲۲) حوائج بشریہ اور تعلیم نبوت (۲۱) انجاء الوطن (۲۲) سفر نامہ حجاز انوار النظر فی اثار الظفر وغیرہ۔

باطل کی سرکوبی:

ان تمام مصروفیات کے ساتھ آپ نے باطل کی سرکوبی میں بھرپور حصہ لیا۔ برما میں رنگون کے قریب ایک بستی ''ویڈنو'' کے سارے مسلمان عیسائی مذہب قبول کر کے مرتد ہو گئے تو حضرت مولانا کی کوششوں سے بحمد اللہ ایک سال میں وہ سب دوبارہ مسلمان ہو گئے۔

عیسائی، پادریوں قادیانیوں اور دیگر فرقوں سے مناظرے بھی ہوئے اس کی تفصیل لمبی ہے۔ (اس کی تفصیل مطلوب ہو تو تذکرہ الظفر میں دیکھی جا سکتی ہے۔)

سیاست میں حصہ:

حضرت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حکم سے قیام پاکستان

کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا اور پھر قیام پاکستان کے بعد جب صوبہ سرحد اور سلہٹ میں ریفرنڈم کرانے کا فیصلہ ہوا۔ تو اس بات کا شدید خطرہ تھا کہ یہ دونوں علاقے پاکستان سے کٹ نہ جائیں۔ اس وقت مسٹر محمد علی جناح کی خواہش پر صوبہ سرحد کا دورہ حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیعؒ نے فرمایا اور سلہٹ میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مولانا محمد رسول خانؒ نے دورے کئے ان کے دورے سے دونوں ہی صوبوں کے نقشے بدل گئے اور (دنوں صوبوں میں پاکستان کے حق میں فیصلہ ہوا) قیام پاکستان کی جدوجہد کے لئے جماعت جمعیت علماء اسلام کے نام سے بنائی اور مولانا اس کے نائب صدر رہے۔

۱۴/ اگست ۱۹۴۷ء کو جب پاکستان کی پرچم کشائی کی تقریب ہوئی تو مسٹر محمد علی جناح کے خواہش پر مشرقی پاکستان میں حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ نے اور مغربی پاکستان میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے پرچم کشائی فرمائی۔ ۱۹۴۹ء میں نظام اسلام کے نفاذ اور دستور اسلامی کا ایک خاکہ بنایا جس کو مولانا ظفر احمد تھانویؒ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مفتی محمد شفیعؒ نے قومی اسمبلی سے پاس کروایا اسی طرح سے ۱۹۴۷ء میں جب سوشلزم کا مسئلہ اٹھا تو اس وقت میں بھی باوجود بڑھاپے اور ہجوم امراض کے پاکستان کے بڑے بڑے شہروں کے دورے فرمائے اور اپنی تقریر اور تحریر سے اسلام اور سوشلزم میں خوب فرق کو واضح فرمایا ایک موقعہ پر میدان عرفات میں سلطان ابن مسعود کی درخواست پر مسلمانان عالم کو خطاب فرمایا۔

قیام پاکستان کے بعد اردو کو سرکاری زبان بنانے کے لئے پانچ لاکھ بنگالی مسلمانوں کے دستخطوں کے ساتھ ایک یادگار دستاویز مسٹر محمد علی جناح کو پیش کی۔ جس کے بعد مسٹر محمد علی جناح نے اردو کو سرکاری زبان بنانے کا اعلان کیا۔

اعمال کا اہتمام:

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے ایک طرف تو حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور دوسری طرف حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ جیسے

بزرگوں کی صحبت سے خوب فائدہ اٹھایا اس کا اثر ان کی عملی زندگی میں نمایاں تھا باوجود کمزوری کے ہمیشہ بخاری شریف کا درس دیتے رہے اسی سال کی عمر میں بھی پانچوں وقت کی نمازیں مسجد میں باجماعت ادا فرماتے رہے کہ ظہر اور عصر کی نمازوں میں امامت بھی خود ہی فرماتے۔

اسی طرح فتاویٰ کا سلسلہ بھی آخری ایام حیات تک جاری رہا۔ اذکار ونوافل کی پابندی میں آخری وقت تک کوئی فرق نہیں آیا۔

تبلیغی جماعت سے تعلق:

زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے رطب اللسان رہتی تبلیغی جماعت کے بہت ہی زیادہ مداح تھے تبلیغی جماعت کے بانی مولانا محمد الیاس سے ملاقات ہوئی تو مولانا الیاسؒ نے چلہ لگانے کو کہا تو انھوں نے چلہ بھی لگایا مولانا الیاس صاحبؒ بھی ان کا بہت ہی زیادہ احترام کرتے تھے ایک موقعہ پر مولانا الیاس صاحبؒ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ جب بھی مولانا ظفر احمد تھانوی دہلی تشریف لایا کریں تو تم لوگ ان کی شخصیت سے فائدہ اٹھایا کرو ان کی مجلسوں میں بیٹھا کرو ان سے تقاریر کروایا کرو اور خوب فائدہ اٹھایا کرو اارمضان مبارک میں ڈاکٹروں نے روزہ رکھنے سے بھی منع کیا مگر آپ نے روزہ رکھا اور فرمایا کہ حضرت عباسؓ نے تو نوے سال کی عمر میں بھی روزہ ترک نہ فرمایا تھا تو میں کیسے روزہ نہ رکھوں۔

وصال:

آخر کار علم وعمل اور زہد وتقویٰ کی یہ شمع ۲۳ ذی قعدہ مطابق ۸ دسمبر ۱۹۷۴ء کراچی میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملی۔

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

نماز جنازہ:

نماز جنازہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے پڑھائی جنازے میں ہزاروں شاگردوں اور عقیدت مندوں نے شرکت فرمائی۔

تدفین:

آپ کو کراچی میں پاپوش نگر کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

تعزیتی پیغامات)

آپ کے انتقال پر حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے فرمایا۔

''حضرت عثمانیؒ کی رحلت سے مسند علم و تحقیق مسند تصنیف و تالیف، و مسند تعلیم اور تدریس مسند بیعت وارشاد بیک وقت خالی ہوگئیں اب ان کو پر کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا۔''

مولانا شمس الحق افغانیؒ نے فرمایا ''مولانا عثمانیؒ کی وفات سے جو خلاء پیدا ہوا ہے وہ کبھی پر نہیں ہوگا وہ اس وقت پورے عالم اسلام میں اسلاف کی یادگار تھے۔''

حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے فرمایا۔ مولانا عثمانیؒ کی وفات سے تمام دینی و علمی حلقے یتیم ہوگئے ہیں اور پاکستان اپنے مذہبی بانی و سرپرست سے محروم ہوگیا ہے آپ کے علم و فضل خلوص و عمل اور زہد و تقویٰ کو دیکھ کر اسلاف کی یاد تازہ ہوجاتی تھی ان کی صحبت کی برکت سے ہزارہا بندگان خدا کو یقین و معرفت کی دولت میسر آتی تھی ساری زندگی ذکر و اذکار، درس و تدریس، تبلیغ و اصلاح اور خدمت اسلام میں گذری اور آخر میں ۱۹۵۴ء میں میری دعوت پر دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالیہ یار میں بطور شیخ الحدیث تشریف لائے اور آخر عمر تک اپنے علمی و روحانی فیض سے ایک جہاں کو منور کیا اور علم ظاہر اور علم باطن کے ذریعے ایک جہاں کو فیض یاب کیا اللہ تعالیٰ ان کو درجات عالیہ نصیب فرمائے (آمین)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(سابق مفتیٔ اعظم پاکستان)

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

نام: محمد شفیع

والد کا نام: محمد یاسین دیو بندی تھا۔ خاندان کے اعتبار سے آپ عثمانی تھے اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے آپ کا نام محمد شفیع رکھا تھا

ولادت باسعادت:

۲۰ اور ۲۱ شعبان ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۸۹۷ء کی درمیانی شب میں قصبہ دیو بند ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔

حصول علوم:

پانچ سال کی عمر میں آپ نے قران مجید کی تعلیم حاصل کرنا شروع کی۔ اور پھر قرآن مجید کے بعد فارسی کی کتابیں اپنے والد ماجد مولانا محمد یاسینؒ سے پڑھیں اور حساب، ریاضی اور دوسرے فنون کی کتابیں اپنے چچا مولانا منظور احمدؒ سے پڑھیں۔

اور سولہ سال کی عمر میں آپ نے دارالعلوم دیو بند میں ہی درس نظامی کے لئے داخلہ لے لیا اور یکسوئی کے ساتھ امتحانات میں انعامی نمبرات سے پاس ہوتے رہے۔ آپ نے دارالعلوم دیو بند میں ہی اپنی تعلیم کی تکمیل کی اور ۱۳۳۵ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔

اساتذہ:

آپ کے اساتذہ میں امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ۔ مفتی اعظم ھند مولا:

عزیز الرحمٰن عثمانیؒ۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ حضرت مولانا سید اصغر حسین دیو بندی اور حضرت مولانا محمد اعزاز علیؒ، حضرت مولانا مجیب الرحمٰن عثمانیؒ اور حضرت مولانا رسول خان ہزارویؒ وغیرہ ہیں۔

تدریس:

۱۳۶۲ھ میں فراغت کے بعد ان کی صلاحیت اور استعداد کو دیکھتے ہوئے انتظامیہ دیو بند نے ان کو استاد مقرر فرما دیا۔ آپ نے ہر فن کی کتابیں بڑی محنت سے پڑھائیں دیو بند میں آپ کا درس بہت مقبول ہو گیا۔ خاص کر کے آپ کا ابوداؤد شریف اور مقامات حریری کا درس تو بہت ہی مقبول و مشہور تھا اور آپ نے دار العلوم دیو بند میں ۱۳۶۲ھ تک پڑھایا۔ اس حساب سے آپ کی تدریس دیو بند میں ۲۷ سال بنتی ہے۔ اس طویل عرصہ میں آپ سے ہزاروں طلباء مستفید ہوئے اور آپ کا فیض ہندوستان کے علاوہ انڈونیشیا، ملائشیا، سنگار پور، بخارا، سمرقند وغیرہ ممالک میں بھی پہنچا۔

دار الافتاء کی ذمہ داری:

آپ نے تدریس کے ساتھ ساتھ فتاویٰ کا کام بھی شروع فرما دیا تھا۔ اور پھر ابتداء میں مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ سے اس کی تصدیق کروالیا کرتے تھے۔

۱۳۴۴ھ میں حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ کسی وجہ سے دار العلوم دیو بند سے تشریف لے گئے تو دار الافتاء کی تمام ذمہ داری آپ پر ڈال دی گئی اور آپ نے اس ذمہ داری کو بہت ہی احسن طور سے نبھایا۔

ابتداء میں آپ اس ذمہ داری کا اپنے آپ کو بالکل مستحق نہیں سمجھتے تھے۔ مگر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا سید اصغر حسین دیو بندیؒ کے سمجھانے اور ان کی اعانت کے وعدہ پر آپ نے اس عظیم منصب کو قبول کرلیا۔

بیعت وسلوک:

۱۹۲۰ء میں آپ نے ابتداء بیعت حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی ؒ سے کی اور پھر ان کے انتقال کے بعد آپ نے ۱۳۴۶ھ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بیعت کی حضرت حکیم الامتؒ کی آپ پر خاص توجہ رہی۔ اور پھر ۱۳۴۹ھ میں حضرت حکیم الامتؒ نے ان کو خلیفہ اور مجاز بیعت کے اعزاز سے سرفراز فرمایا۔

آپ حضرت حکیم الامتؒ کے انتقال تک تقریباً ان کی زیر نگرانی اور مشورے سے کام کرتے رہے۔

حضرت حکیم الامتؒ نے کئی کتابیں بھی تصنیف فرمائیں۔ ان میں سے احکام القرآن اور حیلہ ناجزہ وغیرہ نمایاں ہیں۔

ایک موقعہ پر حضرت حکیم الامتؒ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ مفتی محمد شفیعؒ کی عمر دراز کرے مجھے ان سے دو خوشیاں ہیں ایک تو ان کے ذریعے علم حاصل ہوتا رہا ہے اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے بعد بھی کام کرنے والے موجود ہیں۔

تحریک پاکستان کے سرگرم رکن:

مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے حکیم الامتؒ کے حکم سے تحریک پاکستان کے سلسلہ میں زبردست حصہ لیا۔ کیونکہ حکیم الامتؒ چاہتے تھے کہ پاکستان کی تعمیر میں علماء حق کا حصہ ہو اور تحریک پاکستان میں کام کرنے والوں کی دینی اور اصلاحی تربیت ہو اس کے لئے حضرت حکیم الامتؒ نے اپنے خصوصی خلفاء کو جن میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا مرتضیٰ احسن چاند پوری، مولانا سید سلیمان ندویؒ، مفتی محمد حسن امرتسریؒ، مولانا خیر محمد جالندھریؒ۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور مفتی محمد شفیع ؒ وغیرہ تھے ان سب کو زعماء مسلم لیگ کی اصلاح وتربیت کے لئے مقرر فرمایا تھا اور ساتھ ساتھ ان علماء نے تحریک پاکستان میں بھی خوب سرگرمی سے حصہ لیا۔

جمعیت علماء اسلام کے ناظم اعلیٰ:

جب جمعیت علماء اسلام کی بنیاد رکھی گئی تو اس کے پہلے صدر علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ اور نائب صدر مولانا ظفر احمد عثمانیؒ مقرر ہوئے اور مفتی محمد شفیعؒ کو سب نے ناظم اعلیٰ کا عہدہ دیا۔

سرحد کے ریفرنڈم میں مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے بھرپور حصہ لیا۔

پاکستان ہجرت:

پاکستان کے قیام کے بعد حضرت محمد شفیع صاحبؒ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے حکم سے پاکستان تشریف لے آئے۔

اور یہاں پر آ کر وہ جماعت جو دستور اسلامی کے لئے بنائی گئی تھی اس میں حضرت مفتی صاحبؒ بھی پیش پیش تھے۔

جمعیت علماء اسلام کی صدارت:

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا جب ۱۹۴۹ء میں انتقال ہو گیا اور تو پھر لوگوں نے مفتی صاحب کو ہی جمعیت کا صدر منتخب کر لیا جس کو مفتی صاحب نے خوب نبھایا۔

تعلیمات اسلامی بورڈ کی صدارت:

۱۹۵۲ء میں علامہ سلیمان ندویؒ کی وفات کے بعد سے آپ کو تعلیمات اسلامی بورڈ کا صدر مقرر کر دیا گیا اور پھر آپ ۱۹۵۸ء تک یہ ذمہ داری پوری کرتے رہے۔

آپ نے ہی بائیس (۲۲) نکات پر مشتمل دستوری خاکہ حکومت کو پیش کیا تھا۔

دارالعلوم کراچی کی بنیاد:

حضرت مفتی صاحبؒ کو شروع ہی سے یہ احساس تھا کہ کراچی میں کوئی معیاری مدرسہ قائم کیا جائے۔ اس کے لئے آپ نے ابتداء برنس روڈ کی مسجد باب الاسلام میں مدرسہ امداد العلوم کے نام سے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی اور پھر یہ مدرسہ نانک واڑہ

میں منتقل ہوگیا اور جب طلباء کی کثرت ہونے لگی تو پھر آپ نے کورنگی کے علاقہ میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی جو آہستہ آہستہ پاکستان کے صف اول کے مدارس میں شمار ہونے لگا۔اب اس مدرسہ میں تین ہزار سے زائد طلباء دینی علوم سے سیراب ہو رہے ہیں۔

تصانیف:

اللہ جل شانہ نے حضرت مفتی صاحبؒ کو تصنیف کا ایک خاص ملکہ عطا فرمایا تھا اور یہ آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ آخر میں زیادہ تر وقت اسی میں مصروف رہتا تھا آپ کے قلم سے تقریباً سو سے زائد تصانیف وجود میں آئیں جس میں اسلام کا نظام اراضی، جواہر الفقہ، مقام صحابہؓ۔ سیرت خاتم الانبیاء، کشکول، احکام القران، فتاویٰ دار العلوم دیوبند اور قرآن مجید کی تفسیر معارف القرآن بہت مشہور ہیں۔

خاص کر کے قرآن مجید کی تفسیر جو آپ نے ۸ ضخیم جلدوں میں لکھی۔ آپ کا ایک شاہکار ہے جس کی بدولت آپ نے علماء حق سے زبردست خراج تحسین حاصل کیا۔ یہاں تک کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب نے تفسیر لکھ کر تمام علماء اور مفسرین پر احسان عظیم فرمایا ہے۔

شاعری:

آپ کو اشعار کا بھی ذوق تھا آپ نے بہت سے اشعار بھی کہے۔اور آپ کے بعض اشعار آپ کی کتاب کشکول کے آخر میں مذکور ہیں۔

آخری ایام:

آخر عمر کے چار سال میں امراض وعوارض لگے رہے۔ بالآخر ۹/اور ۱۰ شوال ۱۳۹۶ھ مطابق ۵، ۶، ۱۱ اکتوبر ۱۹۷۶ء کی درمیانی شب کو آپ نے رحلت فرمائی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

نماز جنازہ:

آپ کے جنازے میں ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں نے شرکت کی۔ اور نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت آپ کے قریبی دوست اور خلیفہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحئی عارفیؒ کو ملی۔

تدفین:

آپ کو دارالعلوم کورنگی کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

تعزیزی پیغامات:

آپ اپنے وقت کے علماء کے سرپرست اور امام تھے اس لئے ہر ایک نے آپ کے انتقال پر افسوس کا اظہار کیا۔

مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ نے فرمایا:

آپ سے دارالعلوم دیوبند کی پوری تاریخ وابستہ تھی اور ہمارے اسلاف کی آپ آخری یادگار تھے۔

مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے فرمایا:

آپ کی وفات سے تمام علمائے کرام یتیم ہو گئے۔

مفتی محمود رحمہ اللہ نے فرمایا:

آپ جیسا جید عالم دین اور فقیہ دین مشکل ہی سے پیدا ہوگا۔

حضرت مولانا اکبر علی صاحب رحمہ اللہ برکاتہم

ہو عمر خضر بھی تو ہو معلوم وقت مرگ

ہم کیا رہے یہاں، ابھی آئے ابھی چلے

نام: اکبر علی

ولادت: سہارن پور (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔

تحصیل علوم:

مولانا اکبر علیؒ نے سہارن پور کے مشہور مدرسہ مظاہر العلوم میں ہی تعلیم حاصل کی اور آپ کے اساتذہ میں سے چند مشہور اساتذہ یہ ہیں۔

(۱)۔ مولانا خلیل احمدؒ سہارنپوری (۲) حضرت مولانا محمد یحییٰؒ صاحب (۳) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ صاحب (۴) حضرت مولانا حافظ عبداللطیفؒ صاحب (۵) حضرت مولانا عبدالرحمٰنؒ صاحب (۶) حضرت مولانا منظور احمدؒ خان (۷) حضرت مولانا سعید اللہ صاحبؒ (۸) حضرت مولانا زکریا صاحب قدوسیؒ (۹) حضرت مولانا مفتی ضیاء احمد صاحبؒ گنگوہی (۱۰) اور حضرت مولانا صدیق احمد صاحبؒ۔

آپ مدرسہ سہارن پور سے شعبان ۱۳۴۷ھ میں فارغ ہوئے۔

تدریس:

مدرسہ مظاہر العلوم سے فراغت پر ان کی علمی استعداد کو دیکھتے ہوئے وہاں کی انتظامیہ نے مولانا کو وہاں استاد مقرر فرمالیا۔ وہاں پر بڑی محنت سے آپ نے تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ اس زمانے میں آپ کے بہت سے نامور شاگرد ہوئے۔ ان میں سے چند کے اسماء یہاں ذکر کئے جاتے ہیں مثلاً۔

(۱) مولانا ابرار الحق صاحب خلیفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ۔
(۲) حضرت مولانا یوسف کاندھلویؒ بن مولانا محمد الیاسؒ صاحب۔
(۳) حضرت جی مولانا انعام الحسنؒ صاحب
(۴) حضرت مولانا سعیدؒ احمد خان صاحب
(۵) حضرت مولانا عبید اللہ بلیاوی مقیم نظام الدین مرکز
(۶) حضرت مولانا مفتی منظور احمد نجوری
(۷) حضرت مولانا نسیم احمد صاحب نجوری وغیرہ وغیرہ

تقسیم ہند کے بعد آپ ۱۳۷۶ھ میں کراچی تشریف لے آئے۔ اور دار العلوم کورنگی کے مدرسہ میں ۱۳۷۷ھ سے تدریس شروع فرمائی اور پھر تا حیات یہاں کے ہی ہو گئے۔

مدت تدریس:

تدریس کا زمانہ آپ کا نصف صدی پر محیط ہے۔ تقریباً پچاس سال تک آپ نے تدریس کی۔ دار العلوم کورنگی کی تدریس کے زمانے میں بھی آپ سے بہت سے لوگوں نے استفادہ کیا ان میں سے چند کے اسماء یہاں ذکر کئے جاتے ہیں مثلاً۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم۔ نائب صدر دار العلوم کورنگی۔

حضرت مولانا رفیع مفتی محمد عثمانی صاحب دامت برکاتہم صدر دار العلوم کورنگی۔
حضرت مولانا عزیز الرحمٰن سواتی، مولانا مفتی عبداللہ مہتمم مدرسہ اسلامیہ منگڈو (برما)
حضرت مولانا عبدالرشید صاحب ناظم جمعیہ علمی انگلستان وغیرہ۔

انداز درس:

اس سلسلہ میں حصرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں۔
آپ کا انداز تدریس اس قدر دلنشین ہوتا تھا۔ کہ مشکل سے مشکل بحث پانی ہو

جاتی تھی۔ اس ناکارہ نے حضرت مولانا سے توضیح۔ جلالین اور صحیح مسلم شریف پڑھی ہے اور اس وقت پڑھی جب مولانا کے قویٰ مضبوط اور تدریسی کمال اپنے شباب پر تھا ہمیں مولانا کے درس میں کوئی مشکل بحث معلوم نہیں ہوئی۔ توضیح اصول فقہ کی بڑی معیاری کتاب ہے۔ اور اس کے مباحث خاصے دقیق ہیں لیکن مولانا سے پڑھتے وقت ہمیں وہ بالکل سہل ممتنع معلوم ہوئی اور اس میں اور نورالانوار میں ہوا کوئی فرق معلوم نہیں ہوا۔ دقت کا اندازہ اس وقت ہوا جب توضیح خود پڑھانے کا اتفاق ہوا۔ اس وقت پتہ چلا کہ، اس کتاب کو ہم جس قدر آسان سمجھتے تھے وہ درحقیقت مولانا کے کمال فیض کا اثر تھا۔

تفسیر سے مولانا کو خاص شغف تھا اور ان کا جلالین کا درس اس قدر سلیس ،رواں، شگفتہ اور مفید ہوتا تھا کہ قرآن کریم کے مضامین بڑی خوبی کے ساتھ ذہن نشین ہوتے جاتے تھے۔ میں تفصیل واختصار کے لحاظ سے مولانا کے آغاز سال اور اختتام سال کے درمیان کوئی امتیاز نہ تھا وہ جس معیار پرشوال میں درس شروع فرماتے، اسی معیار پر شعبان تک ثابت قدم رہتے اور کتابیں اپنے وقت پر ختم ہو جاتی تھیں۔

مولانا کے درس میں خارجی باتیں، لطائف، قصے وغیرہ بہت کم ہوتے تھے۔ اس کے باوجود وہ زیر درس بحث ہی کو اس قدر دلچسپ اور شگفتہ بنا کر پیش کرتے تھے کہ شروع سے آخر تک درس کی شادابی برقرار رہتی تھی۔''

اخلاق و عادات:

مولانا اکبر علیؒ کی طبیعت میں حد درجہ عاجزی اور تواضع تھا۔ اتنے بڑے ہونے کے باوجود بھی اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھتے تھے۔ بلکہ دیکھنے والا بھی ان کی حالت کو دیکھ کر یہ نہیں سمجھ پاتا تھا کہ یہ کتنے بڑے عالم ہیں؟

اللہ نے مولانا کو حاضر جوابی کی صفت سے بھی عطا فرمائی تھی۔ اس کے بہت سے واقعات ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک مرتبہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع

صاحبؒ کی مجلس میں مولانا اکبر علیؒ صاحب بھی موجود تھے۔ پہلے گفتگو یہ چل رہی تھی ۔کہ آج کے زمانے میں بعض فقہی مسائل ایسے پیدا ہو گئے ہیں۔ جن کے لئے کسی مجتہد کی بصیرت درکار ہے۔ اسی گفتگو کے دوران مفتی محمد شفیع صاحب نے مولانا اکبر علیؒ نے فرمایا کہ آپ ہی اجتہاد کا دعویٰ کردو۔

اس پہ مولانا اکبر علی صاحبؒ نے ایسی معصومیت سے جواب دیا کہ مجلس ہنسنے پر مجبور ہوگئی، فرمایا کہ حضرت کرنے کو تو اجتہاد کا دعویٰ میں کردوں گا لیکن مشکل یہ ہے کہ کوئی تقلید کرنے والا نہیں ملے گا۔

تصانیف:

حضرت مولانا اکبر علیؒ صاحب نے پوری زندگی تدریس ہی فرمائی مگر ان میں تصنیف کا جوہر بھی موجود تھا۔ مگر اس کا زیادہ موقعہ ان کو نہ مل سکا۔

(۱)۔ایک سال تک تقریباً اخبار زمیندار میں مدیر معاون کے طور سے کام کیا۔

(۲)۔اسی طرح سے مولانا کی تصنیفی یادگار اظہار الحق کا اردو میں ترجمہ ہے۔ جو بنام بائیبل سے قرآن تک کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ جس کو حضرت مولانا نور احمد صاحب سابق ناظم دار العلوم کورنگی کی فرمائش پر کرنا شروع کیا تھا اور چھ ماہ کی مدت میں اس کی تکمیل فرمادی جو اس کتاب کا بہترین سلیس ترجمہ ہے۔

آخری ایام:

مولانا بیماریوں اور کمزوریوں کے باوجود سارے کام خود کرتے۔ مگر ڈاکٹروں کا اصرار ہوا۔ کہ آپ مکمل آرام فرمائیں۔ ورنہ فالج یا دل کا بھی حملہ ہوسکتا ہے اس کے بعد مولانا نے صرف ایک مہینے کی تدریسی رخصت لے لی اور فرمایا کہ۔ ایک ماہ کے بعد پھر پڑھاؤں گا۔

مگر اسی رخصت کے ایام میں طبیعت زیادہ خراب ہوتی گئی۔

اور پھر ایک دن ایسا دل کا حملہ ہوا۔ کہ پھر اسی میں صبح چار بجے کے قریب اس

دارالمحن سے رخصت ہو گئے۔

انااللہ وانا الیہ راجعون۔

بقول شاعر

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

نماز جنازہ اور تدفین:

انتقال کے بعد آپ کی تجہیز و تکفین کی گئی اور پھر ظہر کی نماز کے بعد دارالعلوم کورنگی کراچی میں ہی جنازہ کی نماز ادا کی گئی، جس میں شرکت کرنے والوں کی تعداد تقریباً تین ہزار کے قریب تھی۔ اکثریت اس میں علماء کی تھی اور پھر دارالعلوم کراچی کے ہی قبرستان میں تدفین کی گئی۔

محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ

(بانی و مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن)

ولیس علی اللہ بمستنکر ۔ ان یجمع العالم فی واحد

نام و نسب:

سید محمد یوسف بن محمد زکریا بن میر مزمل شاہ بن میر احمد شاہ بن میر موسیٰ بن غلام حبیب صاحب۔ آپ سید الطرفین تھے آپ کا نسب نامہ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ تک پہنچتا ہے۔

ولادت باسعادت:

٦ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ بوقت سحر بروز جمعرات پشاور کے قریب ایک گاؤں بنور میں پیدا ہوئے۔ اسی وجہ سے آپ کو بنوری کہتے ہیں۔

تحصیل علوم:

قرآن کریم اور ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد اور ماموں مولانا فضل صمدانی بنوریؒ سے اپنے گھر پہ گڑھی میر احمد شاہ پشاور میں حاصل کی۔ اس کے علاوہ مزید علوم وفنون دوسرے چند علاقائی علماء سے حاصل کئے ان میں سے شیخ حافظ عبداللہ بن خیر اللہ پشاوری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ امیر حبیب اللہ خان کے دور میں کابل کے ایک مدرسہ میں بھی تعلیم حاصل کی فقہ، اصول فقہ، ادب اور منطق، کی کتابیں پشاور اور کابل کے علماء سے پڑھیں۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ:

اس کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں پر آپ ۱۳۴۵ھ سے ۱۳۴۷ھ تک رہے۔ وہاں پر دوسرے اساتذہ کے علاوہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور امام

العصر مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ سے خوب استفادہ کیا۔

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں داخلہ:

کچھ حوادث کی وجہ سے امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کو دارالعلوم دیو بند چھوڑنا پڑا اور دارالعلوم ڈابھیل جانا پڑا تو علامہ بنوریؒ بھی اپنے استاد محترم کے ساتھ ڈابھیل چلے گئے اور پھر درس نظامی سے فراغت وہیں سے ہوئی۔

مولوی فاضل کا امتحان:

۱۹۳۰ء میں فراغت کے بعد والد ماجد مولانا محمد زکریاؒ کے بے حد اصرار پر پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان دیا۔

جمعیت علماء اسلام پشاور کے صدر:

اس کے بعد سیاست میں حصہ لیا اور اس میں نمایاں کردار ادا کیا جلد ہی آپ جمعیت علماء اسلام پشاور کے صدر بنا دیے گئے چار سال آپ نے اس طرح گزارے مگر پھر سیاست سے جدائی اختیار کر لی اور بعد میں اپنی جوانی کے ان چار سالوں پر افسوس کا اظہار فرماتے تھے جو سیاست کی نذر ہوئے۔

پشاور کے زمانے میں آپ نے مدرسہ رفیع الاسلام ماڑی میں تدریس بھی فرمائی۔

ڈابھیل واپسی:

اس کے بعد آپ دارالعلوم ڈابھیل میں مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے پاس دوبارہ تشریف لے گئے اور وہاں پر استاد محترم کے ساتھ مل کر کام کیا اور سفر وحضر میں ساتھ ساتھ رہے اور خوب استفادہ کیا۔

دارالعلوم ڈابھیل میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث:

استاد محترم مولانا انور شاہ کشمیری کی خدمت کرنے پر اللہ نے صلہ یہ مرحمت فرمایا

کہ ان کی وفات کے بعد علامہ بنوریؒ کو ہی ڈابھیل میں شیخ الحدیث اور صدر مدرس بنا دیا گیا اور وہاں کی مجلس علمی نے آپ کو مجلس کا باقاعدہ رکن بنالیا۔

مصر کا سفر:

مجلس علمی کی طرف سے فیض الباری اور نصب الرایہ کی طباعت کے سلسلہ میں آپ کو مصر جانا پڑا یہ آپ کا غیر ملکی پہلا سفر تھا اس سفر میں آپ کے ساتھ مولانا احمد رضا بجنوریؒ تھے اور پھر وہاں سے فیض الباری اور نصب الرایہ کو بہت اچھے انداز میں چھپوایا۔

پاکستان کی طرف ہجرت:

پاکستان بننے کے بعد مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا بدر عالمؒ نے حضرت مولانا سے پاکستان آنے پر بہت زیادہ اصرار کیا۔ جس کے نتیجہ میں آپ ۱۶ جنوری ۱۹۵۱ء کو پاکستان تشریف لے آئے۔ اور علماء کے اصرار پر آپ دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار (سندھ) میں شیخ التفسیر رہے اور پھر وہاں تین سال تک تشنگان علم تفسیر و حدیث کو سیراب کرتے رہے۔

تین سال کے بعد کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے جس کی وجہ سے وہاں سے جدائی ہوگئی۔

ہر رنگ میں راضی بہ رضا ہو تو مزا دیکھ
دنیا ہی میں بیٹھے ہوئے جنت کا مزا دیکھ

مختلف مدارس سے تدریس کی پیشکش:

آپ کو ڈابھیل کے زمانے میں ہی دارالعلوم دیوبند میں طبقہ علیاء کی تدریس کی پیشکش ہوئی اسی طرح افتاء کے لئے بھی اصرار کیا گیا مگر آپ نے انکار کر دیا۔ اسی طرح جامعہ احمدیہ بھوپال میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے شیخ الحدیث کے طور پر آنے کی دعوت دی لیکن اس کو بھی آپ نے قبول نہ کیا اسی طرح جب آپ ٹنڈو الہ یار کے

مدرسہ سے جدا ہوئے تو دسیوں علمی مراکز کی طرف سے اعلیٰ مناسب کی پیشکش ہوئی لیکن آپ نے فیصلہ کیا کہ اپنا ہی کوئی ادارہ قائم کریں گے۔

نیوٹاؤن مدرسہ کی بنیاد:

ٹنڈو الہ یار سے جدائی کے بعد آپ نے حرمین شریفین جانے کا فیصلہ کرلیا اس کے لئے آپ ۴ ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ کو ہوائی جہاز سے اولاً بصرہ تشریف لے گئے اور پھر وہاں سے جدہ پہنچے اور پھر حج کے بعد مدینہ طیبہ میں بتیس (۳۲) دن قیام کیا اور وہاں کے علماء و مشائخ سے مشورے اور خود بھی استخارہ کرتے رہے بالآخر آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اپنا ہی مدرسہ بنایا جائے اور ذریعہ معاش کے لئے کوئی نیا مشغلہ اختیار نہ کیا جائے اور ضرورت کو بقدر ضرورت اسی سے پوری کرلیا جائے تاکہ اپنے آپ کو تعلیم و تدریس کے لئے وقف کردیں واپسی کے بعد ایک سال تک آپ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کام کس طرح کیا جائے۔ یہاں پر حاجی یوسف سیٹھی صاحبؒ نے پچاس ہزار روپے (۵۰,۰۰۰) دینے کے لئے بہت اصرار کیا پر مولانا نے لینے سے انکار کردیا۔

اور آپ نے اللہ کی ذات پر توکل کرتے ہوئے گرومندر کے قریب نیوٹاؤن مسجد سے ملحق جگہ پر مدرسہ بنانے کا فیصلہ کرلیا اور فارغ التحصیل طلباء کے لئے درجہ تخصص کا افتتاح کردیا جس میں دس بارہ طلباء فوری طور سے آگئے پھر آہستہ آہستہ یہ پورا باقاعدہ مدرسہ بن گیا اور اب اس مدرسہ کا شمار پاکستان کے صف اول کے مدرسوں میں ہوتا ہے۔

تحریک ختم نبوت میں علامہ بنوریؒ کا کردار:

قادیانیوں کے خلاف پہلی تحریک ۱۹۵۳ء میں جب شروع ہوئی اس وقت آپ ٹنڈو الہ یار کے مدرسہ میں شیخ التفسیر تھے اور آپ نے اس تحریک میں بھرپور حصہ لیا اور پھر ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں اس تحریک کی قیادت آپ کے ہاتھ ہی میں تھی اور اتنی زوردار تحریک قادیانیوں کے خلاف چلائی کہ اسمبلی بھی قادیانیوں کو غیر مسلم قرار

دینے پر مجبور ہوگی۔

فتنۂ پرویزیت کے خلاف آواز:

مسٹر غلام احمد پرویز نے نظام ربوبیت اور حدیث کا انکار کیا۔ جس کے ساتھ بہت سے لوگ ہوگئے اس کے مقابلے میں آپ نے تحریک چلائی ان کے خلاف فتویٰ تیار کروایا۔ اور اس پر تمام مکاتب فکر کے علماء سے دستخط کروائے کہ پرویز کافر ہے اس فتویٰ کے جاری ہونے سے وہ فتنہ زیر زمین چلا گیا۔

فتنہ فضل رحمانی کے خلاف علامہ یوسف بنوریؒ کا کردار:

صدر محمد ایوب خان کے دور حکومت میں اسلام کا جدید ایڈیشن پیش کرنے کے لئے امریکہ سے ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے نام سے ایک ملحد کو لایا گیا اس نے جدید اسلام کا خوب صورت روپ اپنایا ہوا تھا۔

علامہ بنوریؒ نے اس کے دھوکے کو بہت جلد سمجھ لیا اور اس فتنے کے خلاف علماء کو متحد کیا۔ اور پوری قوم کے ساتھ مل کر اس فتنہ کے خلاف احتجاج کیا اور پھر فضل الرحمٰن واپس امریکہ چلا گیا در حقیقت یہی فتنہ صدر ایوب خان کی حکومت کے زوال کا باعث بھی بنا۔

فتنہ عنایت اللہ مشرقی میں علامہ یوسف بنوریؒ کا کردار:

عنایت اللہ مشرقی کی جماعت اپنے آپ کو خاکسار کہلاتی تھی۔ اور عنایت اللہ مشرقی کا دعویٰ یہ تھا کہ میں علامہ ہوں اور علامہ کا تمغہ مجھ کو جامعہ ازھر مصر والوں نے دیا ہے اور عنایت اللہ مشرقی کا دعویٰ یہ بھی تھا کہ قرآن کا مفہوم، اور اس کے معانی عرش معلیٰ سے پہلی مرتبہ اس کے دماغ پر نازل ہوئے ہیں۔ اس نے اپنی ایک کتاب تذکرہ کو لکھا پھر کچھ دنوں کے بعد اشارات لکھی اور ایک بات یہ مشہور کر دی کہ ہندوستان کی مساجد قبلہ رخ نہیں ہیں پھر کا اور خاکسار لوگوں کا یہ بھی کہنا تھا کہ عنایت اللہ مشرقی کو علماء ازھر نے علامہ کا لقب دیا ہے چنانچہ جب علامہ محمد یوسف بنوری مصر

تشریف لے گئے تو وہاں کے علماء کو کتاب تذکرہ دکھائی اور فتویٰ طلب کیا۔ تو وہاں کے علماء نے عنایت اللہ مشرقی کے عقائد اور نظریات کو صریح کفر اور الحاد قرار دیا اس کے بعد علمائے ہنذا سکے مقابلے کے لئے کمربستہ ہوئے اور اس فتنہ میں علامہ بنوریؒ کی گرفتاری وجود میں آئی پھر اس کے بعد یہ فتنہ ختم ہوتا گیا اور پھر چند ہی دنوں میں زوال پذیر ہو گیا۔

فتنہ مودودیت اور فتنہ محمود احمد عباسی کا تعاقب:

جہاں پر مودودی صاحب کی تحریروں میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں خرافات سرزد ہوتی ہیں اسی طرح عباسی فتنہ میں حضرت امیر معاویہؓ کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کو کم تر دکھایا گیا ہے۔ اور یزید کے مقابلہ میں حضرت حسینؓ کو کم ثابت کیا گیا ہے، اسی طرح اور صحابہ کا حال ہے

ان دونوں فتنہ کی سرکوبی کے لئے علامہ یوسف بنوریؒ نے اپنے ماہانہ رسالہ بینات کے صفحے کے صفحے اس کے رد پر لکھے اور ان فتنوں کے خطرات سے لوگوں کو مطلع کیا۔

بیعت وخلافت:

حج کے موقعہ پر مکہ معظمہ میں حضرت حاجی شفیع الدین نگینویؒ خلیفہ ارشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت ہوئے انھوں نے اجازت بھی مرحمت فرمائی اور فرمایا کہ ہندوستان میں اگر آپ کا قیام ہو تو حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ یا مولانا اشرف علی تھانویؒ میں سے کسی ایک سے رجوع رکھنا۔ علامہ بنوریؒ کا طبعی رجحان مولانا حسین احمد مدنیؒ سے تھا اس لئے ان سے رجوع کیا اور باقاعدہ خط وکتابت کا سلسلہ رہا۔ حکیم الامت حضرت اشرف علی تھانویؒ سے بھی آپ کو بہت ہی عقیدت رہی ان کی خدمت میں بھی حاضری رہی اور خط وکتابت بھی کرتے رہے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی نومبر ۱۹۴۳ء کے خط میں حضرت علامہ بنوریؒ کو مجاز صحبت سے ملقب فرمایا اور

حضرت حسین احمد مدنی صاحب نے آپ کو ربیع الاول ۱۳۴۰ میں سند اجازت حدیث عطا فرمایا ثابت ہوا کہ علامہ بنوری حاجی شفیع الدین نگینوی کے خلیفہ تھے اور حضرت حکیم الامت اشرف علی تھانوی کے مجاز صحبت اور حضرت مولانا حسین احمد سے سلوک کی تعلیم و تربیت پائی۔

حضرت بنوریؒ اور اشعار:

حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ ایک بلند پایہ شاعر بھی تھے عربی زبان میں آپ نے بہت سے اشعار کہے ہیں نجف کرم صاحب کی مشاق میں آپ کے قصیدے بہت مشہور ہوئے ایک ونماشیہ ثانیہ دوسرا تاحیدہ شذرات الارب فی مدیح سید العجم والعرب لکھی۔

اس کے علاوہ متعدد لوگوں کی بیان بازی پر اشعار کہے جن میں مولانا عبدالحق نافع۔ مولانا سید فضل خالق، سید فضل صمدانی اور اپنے استاذ محترم مولانا انور شاہ کشمیری جب صحت مند ہو کر ڈابھیل مدرسہ میں واپس تشریف لائے اسی لئے بہت سے احباب کے انتقال پر مرثیہ بھی کہے ہیں۔

حضرت علامہ یوسف بنوریؒ علماء کی نظر میں

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

ایک موقعہ پر حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ اگر آپ (علامہ یوسف بنوری) تشریف آوری سے پہلے آنے کا دن اور وقت کی اطلاع کر دیں تو احسان ہوگا جب بھی آپ تشریف لے جاتے تو حضرت تھانوی اسٹیشن پر لینے کے لئے مولانا بشیر علی اور ایک دوسرے صاحب کو بھیجتے تھے۔ حضرت تھانویؒ نے لفظ بنوریؒ کے بارے میں پوچھا کہ بنوری کی وجہ تسمیہ بتائیں تو حضرت بنوریؒ نے فرمایا کہ ہمارے جدامجد شیخ آدم بنوریؒ کی طرف نسبت ہے۔ فرمایا اچھا پھر تو آپ ہمارے مخدوم زادہ ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ بھی بہت ہی اچھے الفاظ سے یاد فرماتے تھے۔
ایک خط کے جواب میں فرمایا۔

بے شک آپ کے کئی خطوط مجھے ملے جواب میں حسب عادت تاخیر کی دارالعلوم کے معاملات اور اکثر امراض کا تسلسل مانع ہوا آپ کی صحبت قلب میں جاگزیر ہے اور ایسے دوستوں کا تعلق مایہ فخر سمجھتا ہوں۔

حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ:۔

ایک مرتبہ علامہ یوسف بنوریؒ ان کے گھر تشریف لے گئے پوچھا کون آیا مولانا نے کہا:۔ محمد یوسف بنوریؒ تین مرتبہ یہ سوال کر کے جب واپس لوٹنے لگے تو حضرت شاہ جی نے کہا کہ تشریف لائیں۔ کہ (آپ تو) انور شاہ کے علم کے حامل ہیں یہ کہہ کر شاہ صاحب آپ سے لپٹ گئے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ:۔

حضرت شیخ سے تو بہت ہی زیادہ تعلق رہا اور حضرت شیخ بہت اونچے الفاظ سے یاد کرتے تھے علامہ محمد یوسف بنوری کے انتقال کے بعد فرمایا کہ اگر حضرت مرحوم زندہ ہوتے تو اب تک ان کے کئی خطوط آگئے ہوتے تم لوگوں نے ابھی تک کوئی خط نہیں لکھا۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ:۔

ایک مرتبہ فرمایا

مولانا محمد یوسف بنوریؒ علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے علم کے صحیح حامل ہیں۔

حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند:

قاری طیب صاحبؒ لکھتے ہیں کہ مولانا بنوری اپنے وقت کے جید عالم، محدث، مفسر اور فقیہ تھے اور حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ شبیرؒ احمد عثمانیؒ کے علوم و معارف کے امین تھے۔

[illegible]

دعوت پیش کرتے رہے۔قوت ایمانی سے پہلے اخلاقی ایمانی قوت سے دعوت دیتے رہے ہر ایک صحابی سر سے پیر تک اسلامی اخوت اسلامی اخلاق کا اعلیٰ نمونہ تھا دنیا میں اسلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے دینی حسن و جمال اور حسین اخلاق کے کمال سے پھیلا تلوار کے زور سے نہیں پھیلا صاحب انصاف وصاحب عقل وبصیرت مورخ اس سے بے خبر نہیں کہ اگر مسلمان اس اہم فریضہ میں کوتاہی نہ کرتے تو شاید تمام عالم مسلمان ہوتا۔

تکوینی مصالح تو حق تعالیٰ ہی جانتا ہے تاہم دنیا کے مزاج میں کفر واسلام کے امتزاج سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن جہاں تک عقل اور اسلامی اصولوں کا تقاضا ہے وہ یہی ہے جو کچھ عرض کیا جارہا ہے، چنانچہ اپنے اثرات کے اعتبار سے دیرپا اسلام وہی رہا جو دعوت وارشاد کے راستوں سے پھیلا ہے، اسلامی فتوحات کے ادوار میں یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ حضرات صحابہ کے عہد میمون میں جو ممالک اسلام کے زیرنگین آئے وہ آج تک اسلام پر قائم ہیں اور بعد میں سلاطین اسلام کی تلوار سے جو مسلمان ہوئے وہ یکے بعد دیگرے اسلام سے نکلتے جارہے ہیں، نیز یہ فرق بھی واضح ہے کہ قرون اولیٰ کے مفتوحہ ممالک میں عقائد کی پختگی آج بھی باقی ہے، اگرچہ اعمال و اخلاق میں یورپ کی نقالی کا رنگ غالب ہے، اسکے برخلاف جو ممالک بعد میں سلاطین اسلام اور ملوک اسلام کے زور تلوار سے فتح ہوئے ان میں عقائد کی خامی واضح ہے اگر اعمال ظاہری میں بظاہر پختگی بھی نظر آئے تو کریدنے کے بعد معلوم ہوگا کہ قلبی عقیدہ اتنا کھوکھلا ہوچکا ہے کہ ایک دھکے سے ختم ہوجاتا ہے، دراصل ابتدائی دور کی فتوحات میں اخلاص نمایاں تھا، انھوں نے اگر جہاد بھی کیا تو وہ بھی صرف اس غرض سے تھا ﴿لتکون کلمة الله هی العلیا﴾ تاکہ صرف حق تعالیٰ کا دین غالب ہو اس لئے ان فتوحات کی برکات سے مسلمانوں کے عقائد میں پختگی پائی جاتی ہے اور جو ملک بعد میں فتح ہوئے ان میں اخلاص کا وہ درجہ نہ تھا، بلکہ ملوکیت اور شان وشوکت کی آمیزش تھی اس لئے وہ دینی تصلب حاصل نہ ہوسکا، کہنا یہ تھا کہ دعوت وارشاد میں امت مقصر رہی ہے اور آج جو نقشہ اسلام اور مسلمانوں کا ہے اسی تقصیر کے نتیجے میں ہے۔"

تبلیغی جماعت اور اس کے شاندار اثرات:

''حق تعالیٰ کی ہزاروں رحمتیں ہوں حضرت مولانا محمد الیاس کاندھاوی رحمہ اللہ کی روح پر جنھوں نے مسلمانوں کو بھولا سبق یاد دلایا اور اس سبق کو یاد دلانے میں ہی فنا ہوگئے، اگر کوئی فنا فی اللہ، فنا فی الرسول اور فنا فی الشیخ کے مظاہر کو سمجھنا چاہتا ہے تو حضرت مرحوم کو دیکھ لے کہ کس طرح ''فنا فی التبلیغ'' ہوگئے تھے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے بس یہی فکر ہی دامن گیر تھی، تمام زندگی اور تمام افکار وانفاس بس اسی مقصد کے لئے وقف تھے حق تعالیٰ نے ان کی جانفشانی وقربانی، ایثار واخلاص اور جدوجہد کو قبول فرمایا اور چار دانگ عالم میں اس کے ثمرات وبرکات پھیل گئے، شاید روئے زمین کا کوئی خطہ ایسا باقی نہ رہا ہوگا جہاں ان کی جماعت کے قدم نہ پہنچے ہوں، ماسکو فن لینڈ و اسپین سے لے کر چین و جاپان تک ان قافلوں کی دعوت انبیاء کرام علیہم السلام کے طریق دعوت سے بہت مشابہت رکھتی ہے، اس کا انتظار نہیں کہ لوگ خود آئیں گے اور دین سیکھیں گے بلکہ گلی کوچوں اور بازاروں میں چل پھر کر اور گھر گھر لوگوں کے پاس پہنچ کر دعوت دی جاتی ہے اور زبان سے، حسن اخلاق سے اور اپنے طرز عمل سے دعوت دی جاتی ہے سر سے پیر تک اسلامی مجسمہ بن کر اسلام کا عملی نمونہ پیش کیا جاتا ہے اس لئے اس کا اثر یقینی ہوتا ہے۔''

سادہ اور عملی دعوت کا نمونہ تبلیغی جماعت:

''آج امت تقریر وتحریر کی محتاج نہیں، یہ بہت کچھ ہو چکا ہے ضرورت عملی نمونہ پیش کرنے کی ہے، فصاحت وبلاغت کا دریا امت بہا چکی ہے لیکن آج صرف سادہ عملی دعوت کی ضرورت ہے الحمد للہ کہ آج تبلیغی جماعت اس پر عمل پیرا ہے''

تصانیف:

آپ کی زندگی تدریس اور فتنوں کی سرکوبی میں گزری مگر اس کے باوجود آپ کے قلم سے چند ایسی تصانیف وجود میں آئی کہ اس سے اہل عجم کیا اہل عرب بھی حیران

رہ گئے۔اور آپ کی تصانیف سے رہتی دنیا تک فائدہ اٹھایا جاتا رہے گا۔(انشاءاللہ)
آپ کی چند تصانیف یہ ہیں۔

(۱)بغیۃ الاریب فی مسائل القبلۃ والمحاریب:

عنایت اللہ مشرقی کا یہ کہنا تھا کہ ہندوستان کی تمام مساجد کا قبلہ صحیح نہیں ہے اس پر آپ نے بہت موثر رسالہ لکھا ہے جو بہت ہی مقبول ہوا۔جس کے بعد سے مسلمانوں کے اندر سے یہ شبہات ختم ہو گئے کہ ہم غلط سمت پر نماز پڑھ رہے ہیں۔

(۲)معارف السنن شرح سنن الترمذی:

حدیث کی مشہور کتاب ترمذی شریف کی یہ بے نظیر محققانہ شرح ہے چھ جلدوں میں کتاب المناسک تک ہے کتاب الجنائز سے کتاب کے آخر تک کا حصہ باقی رہ گیا ہے کاش یہ شرح مکمل ہو جاتی تو یہ ایک بے بہا ذخیرہ ہوتی جتنی ہے اس سے بھی علماء خوب استفادہ کر رہے ہیں۔

(۳)نفحۃ العنبر فی حیاۃ امام العصر الشیخ محمد انورؒ:

اس کتاب میں اپنے محترم استاد حجۃ اللہ فی الارض حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے حالات وکمالات کو عربی زبان میں جمع کیا ہے۔

(۴) یتیمۃ البیان فی شئی من علوم القرآن

یہ کتاب حضرت علامہ امام العصر مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی کتاب مشکلات القرآن کا مقدمہ ہے اور یہ علوم القرآن پر ایک بے نظیر علمی شاہکار ہے۔یہ کتاب مستقل الگ بھی چھپ چکی ہے۔

(۵)عوارف المنن مقدمہ معارف السنن:

یہ دراصل معارف السنن کا مقدمہ ہے۔اس کا دوتہائی کام مکمل ہو چکا تھا ایک حصہ باقی ہے۔

(۶) الاستاذ المودودی وشیٔ من حیاتہ وافکارہ:

اس کتاب میں علامہ بنوریؒ نے مودودی صاحب کے ان غلط نظریات وافکار کو بیان کیا ہے۔ جن سے عام لوگ واقف نہیں تھے کتاب بہت ہی مفید ہے اب اس کا اردو میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

اس کے علاوہ متعدد کتابوں پر آپ کے تحقیقی مقدمات بھی ہیں ان سب کو حضرت مولانا حبیب اللہ مختار شہیدؒ نے ''مقدمات البنوریہ'' کے نام سے الگ شائع کیا ہے۔

اس کے علاوہ متعدد مضامین مختلف رسائل میں خاص کر کے رسالہ بنیات میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

وفات:

ارباب چمن مجھ کو بہت یاد کریں گے
ہر شاخ پر اپنا ہی نشاں چھوڑ دیا ہے

علم وعرفان کا یہ آفتاب دل کے عارضہ میں تین دن مبتلا رہ کر ۳ ذی قعدہ ۱۳۹۷ھ بمطابق ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو غروب ہو گیا۔

نماز جنازہ:

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ مولانا ڈاکٹر عبدالحئیؒ صاحبؒ نے پڑھائی۔ جنازہ مدرسہ بنوری ٹاؤن میں ہوا اور کئی ہزار کا مجمع تھا۔

تدفین:

آپ کا قائم کردہ جامعہ جو لوگوں میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے نام سے مشہور ہے اس کے احاطہ ہی میں ایک درخت کے نیچے آپ کی قبر مبارک ہے:

آسمان تیری قبر پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ میں گھر کی نگہبانی کرے

حضرت مولانا محمد صادق رحمہ اللہ

(بانی مدرسہ مظاہر العلوم کھڈہ)

جان کر منجملہ خاصان میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

والد کا نام: مولانا عبداللہ صاحب۔

ولادت:

مولانا محمد صادق ۱۸۷۶ھ میں محلہ اسلام باد کڑی کراچی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد بھی اپنے دور کے بڑے علماء میں سے تھے جن کا نام مولانا عبداللہ صاحب تھا وہ اپنے محلّہ میں درس و تدریس، وعظ اور تبلیغ کا کام کرتے تھے۔ بہت ہی خدا ترس، پاکباز اور لاطمع انسان تھے۔ اس وجہ سے آس پاس کے لوگ بہت عقیدت اور احترام سے پیش آتے تھے اور ان کی کوشش سے پورے محلّہ سے شرک اور بدعت کا قلع قمع ہو گیا تھا۔

حصول علوم:

مولانا عبداللہ صاحب نے اپنے بیٹے مولانا محمد صادق کی ابتدائی تعلیم کا بندوبست اپنی نگرانی میں کیا۔ اس کے بعد چکوال (پنجاب) سے ایک عالم کو بلوا کر مولانا کی تعلیم اور تربیت کے لئے مقرر کیا اور پھر اس کے بعد وقت کی سب سے بڑی درس گاہ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم کے لئے بھیج دیا۔ جہاں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ جیسے عالم موجود تھے اس کے علاوہ دوسرے علماء کی نگرانی میں اعلیٰ عربی علوم کی تکمیل کی۔ اور پھر واپس کراچی آ گئے۔

مولانا محمد صادق کی مجاہدانہ زندگی:

دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد شیخ الہند کے حریت پسند خیالات، آزادی کی تحریک اور مولانا امروٹیؒ کی جہادی کوششوں نے ان کے اوپر بڑا اثر ڈالا۔ اس لئے وطن کی آزادی اور انگریزوں کو ملک سے نکالنے کی کوشش میں لگے رہے۔ آزادی کے سلسلے میں مولانا امروٹیؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور اپنے استاد شیخ الہندؒ کے صلاح و مشورہ سے کام کرتے رہے۔ ریشمی رومال کی تحریک میں مولانا صادق صاحب نے کراچی اور سندھ کے علاقہ لسبیلہ کے انقلابی مرکز کی کمان سنبھالی۔ اسی دوران سندھ کے اثر والے علاقہ اور بلوچستان کے انقلابی مرکز کے امیر مولانا تاج محمود امروٹیؒ سے رابطہ رکھتے تھے۔

ریشمی رومال تحریک کے منصوبہ کے ظاہر ہو جانے کے بعد اس کو ختم کرنے کے لئے انگریز نے سخت اقدام اٹھائے۔ اس کے باوجود بھی مولانا محمد صادق صاحب نے انگریز کے خلاف مینگل قوم کو ابھار کر لسبیلہ میں انگریز کو کافی نقصان پہنچایا۔ اس کے بعد گرفتار بھی ہوئے اور ایک سال کی سزا کاٹی لیکن انگریز کی بات کبھی نہیں مانی۔

امت کا درد و فکر:

برصغیر میں جب ہندوؤں کی طرف سے ''شدی اور سنگھٹن'' تحریکیں شروع ہوئیں۔ اور چند سادہ لوح مسلمان مرتد ہونے کے قریب ہوئے۔ تو مولانا صادق صاحب نے مولانا امروٹیؒ کے مشورہ سے سندھ کے اندر تبلیغی مراکز قائم کر کے سندھ کے ہر علاقہ میں تبلیغی دورے کیے اور وعظ و نصیحت اور قلمی کوششوں کے ذریعے ''شدی'' فتنہ کو ختم کیا۔ ان ہی تبلیغی دوروں میں شیخ عبدالمجید سندھی اور شیخ عبدالرحیم جیسے لوگ اور ان کے علاوہ مزید نامور ہندو مسلمان ہوئے۔

شاگرد:

مولانا محمد صادق صاحب کے شاگرد بہت زیادہ ہیں جو عظیم الشان دینی ادارے مظہر العلوم کھڈہ میں زیر تعلیم رہے جن میں سے مولانا محمد عثمان بلوچ سابق وزیر معارف ریاست قلات، مولانا قاضی عبدالصمد صاحب سربازی نائب وزیر معارف قلات،، مولانا عبدالغفور سینائی ایڈیٹر نوائے سندھ، مولانا خیر محمد نظامانی، مولانا عبدالکریم چشتی، حکیم محمد احسن سیوہانی سفیر عراق وغیرہ مشہور ہیں۔

ہم عصر علماء کا مولانا محمد صادقؒ پر اعتماد:

ہمعصر علماء کرام میں مولانا انور شاہ کشمیریؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا کفایت اللہؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا ظفر علی خانؒ، مولانا احمد سعیدؒ، مولانا مفتی عبدالقادر لغاریؒ، مولانا عبداللہ لغاریؒ وغیرہ تھے۔ ان سب کے ساتھ مولانا صادق صاحب کا رابطہ بھی تھا اور ان سب کو مولانا صادق صاحب کا پورا اعتماد حاصل تھا۔ جنگ آزادی کے سلسلے میں تین سال کھن کا روار میں نظر بند رہے۔

عادات واخلاق:

مولانا صاحب نہایت خوش اخلاق، مہمان نواز اور سادگی پسند تھے۔ ان کی صحبت میں بیٹھنے سے عجیب خوشی اور اطمینان حاصل ہوتا تھا۔ ان کی زندگی میں بے انداز مشکلات پیش آئیں لیکن ان کے سامنے کبھی ہمت نہ ہاری، اور کسی کے سامنے شکایت تک نہ کی۔

سیاسی بصیرت:

ان کی سیاسی قابلیت کا اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا ابوالکلام

آزادؒ، مولانا سندھی صاحبؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ اور حاجی عبداللہ ہارونؒ جیسے سیاسی اکابر اور بڑے سیاستدان بھی ان کے مشورے سے سیاسی مسائل حل کرتے تھے۔

کراچی کے مشہور سیاستدان اور دانشور جیسے مفتی محمد عثمان بلوچ، خان بہادر گبولؒ، حکیم فتح محمد سیوہانی، حاتم علویؒ، حاجی عبداللہ ہارونؒ، شیخ عبدالمجیدؒ سندھی، قاضی عبدالرحمٰنؒ، حاجی مولا بخش سومرو، مولانا دین محمد وفائیؒ، شمس العلماء ڈاکٹر داؤد پوتہ، محمد ہاشم گذدر وغیرہ ان کی صحبت سے فائدہ حاصل کرتے تھے۔

مولانا صاحب کے قائم کردہ مدرسہ، مدرسہ مظہر العلوم میں ملک کے کونے کونے سے طالب علم آکر تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور سیکڑوں لوگوں نے درس نظامی کی تعلیم مکمل کی ہے اور اب وہ ملک کے مختلف مقامات پر دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس مدرسہ میں ناظرہ قرآن سے لے کر دورہ حدیث تک دینی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس وقت ان کا اپنا پوتا اس مدرسہ کا مہتمم ہے۔

وفات:

مولانا صاحب نے ۱۸ جون ۱۹۵۳ء کو جمعرات کے دن وفات پائی اور کراچی کے قریب موڑو کے مقام میں مدفون ہوئے جہاں ان کے والد اور جد امجد کی قبریں بھی ہیں۔

حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ

(خطیب اسلام پاکستان)

بیٹھے بیٹھے کیسا دل گھبرا جاتا ہے
جانے والوں کا جانا یاد آجاتا ہے

نام: احتشام الحق

والد کا نام: مولانا ظہور الحق تھانوی تھا۔ جو بڑے دیندار، متقی اور جید عالم دین تھے۔
والدہ محترمہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی حقیقی بہن تھیں اور بہت زیادہ عابدہ زاہد خاتون تھیں اور شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے بیعت تھیں۔

ولادت: آپ ۱۹۱۵ء میں اٹارہ شہر میں پیدا ہوئے۔

تحصیل علوم:

جب ہوش سنبھالا تو اپنے ماموں جان حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں خانقاہ تھانہ بھون آگئے۔ اور وہاں ہی دس بارہ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ اس کے بعد حضرت حکیم الامتؒ نے آپ کو مزید دینی تعلیم کے لئے مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور میں داخل کروادیا، وہاں پر حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ اور مولانا حافظ عبد اللطیف صاحبؒ وغیرہ، سے کسب علم کیا۔

۱۹۷۳ میں پھر آپ نے دار العلوم دیوبند آکر درس نظامی کی تکمیل کی۔ دیوبند میں آپ کے اساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، علامہ شبیر احمد عثمانی، شیخ الادب مولانا اعزاز علی، مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع، اور علامہ محمد ابراہیم بلیاوی جیسی شخصیات شامل ہیں۔ درس نظامی کے بعد آپ نے الہ آباد یونیورسٹی اور

پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان دیا۔

دینی خدمات:

مولانا کی زندگی کارناموں سے بھری ہوئی ہے۔ مولانا کے کارناموں میں سے صرف گیارہ کارناموں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(ا)۔ فراغت کے بعد آپ دہلی کی جامع مسجد سکریٹریٹ میں امامت اور خطابت شروع کردی۔ اور چند ہی دنوں میں آپ نے اپنی خطابت کا لوہا منوالیا۔

آپ کا خطاب سننے کے لئے باقاعدہ سرکاری ملازمین کے علاوہ مرکزی اسمبلی (کونسل آف اسٹیٹ) کے ممبران بڑے اہتمام سے شریک ہوتے۔ خاص کر کے لیاقت علی خان خواجہ ناظم آلدین، سردار عبدالرب نشتر، مولانا ظفر علی خان شریک ہوتے۔

۲۔ دوسری طرف حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی قائم کردہ مجلس دعوت الحق کے ذریعہ سے جدید تعلیم یافتہ اور سرکاری ملازمین میں بھی خوب کام کیا۔

کسی کو کیا خبر کیا چیز ہیں وہ
انہیں دیکھے کوئی میری نظر سے

(۳)۔ تحریک پاکستان میں حصہ:

آپ نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی قائم کردہ جماعت جو پاکستان کے حامی علماء پر مشتمل تھی جس کا نام جمعیت علماء اسلام تھا اس میں بھی آپ پیش پیش تھے۔

۴۔ سرحد کے ریفرنڈم میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے ساتھ سرحد کا دورہ کیا۔ اور اپنی خطابت سے لوگوں میں ایک انقلاب

پیدا کردیا۔

۵۔اسی طرح آپ کا اہم کارنامہ یہ بھی ہے کہ قیام پاکستان کے بعد جب اسلامی دستور کے اصول پر ایک دستوری خاکہ تیار کرنا تھا اس کے لئے بھی مولانا ہندوستان جا کر وہاں کے جید علماء جن میں علامہ سید سلیمان ندویؒ، سید مناظر احسن گیلانی، ڈاکٹر حمید اللہ وغیرہ کو پاکستان لے کر آئے اور ایک دستور تیار کیا کہ جو مرکزی اسمبلی میں قرارداد مقاصد کے نام سے منظور ہوا۔

۶۔قیام پاکستان کے بعد جیکب لائن میں ان کی مسجد اور ان کا مکان مسلسل دینی اور سیاسی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ایک زمانے تک حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مفتی محمد شفیعؒ صاحب مولانا بدر عالمؒ اور مولانا ظفر احمد تھانویؒ وغیرہ مشاورت کے لئے اکثر و بیشتر مولانا کے مکان میں ہی جمع ہوتے تھے۔

۷۔مولانا دوقومی نظریئے کے زبردست حامی تھے۔اس کے لئے آخری وقت تک کوشش فرماتے رہے۔

۸۔آپ کے کارناموں میں سے ایک یادگار کارنامہ یہ بھی ہے کہ جب ۱۹۵۱ء میں اسلامی دستور کے مسئلہ میں ارباب حکومت نے علماء کو چیلنج دیا کہ ان میں اپس میں اتفاق اور اتحاد نہیں ہے تو مولانا احتشام الحق تھانوؒی نے اپنی بھرپور صلاحیت سے ہر مکتب فکر کے جید علماء کو اپنی قیام گاہ پر جمع کیا۔اور اسی میں متفقہ طور سے اسلامی مملکت کے بائیس بنیادی اصول مرتب کر کے ارباب حکومت کو پیش کیا اور ان کا منہ بند کر دیا کہ علماء میں اتفاق نہیں ہے۔

۹۔اسی طرح عائلی قوانین پر غور کرنے کے لئے شروع میں جو کمیشن قائم ہوئے اس میں مولانا تنہا عالم دین تھے مگر آپ نے جرات اور ہمت کے ساتھ حق گوئی کا پورا حق ادا کیا جو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

۱۰۔اسی طرح صدر محمد ایوب خان کے زمانہ حکومت میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن ملحد آیا

جس نے ماڈل دین پیش کیا۔ مولانا اس کے نظریات کے خلاف ڈٹ گئے اور اخبارات اور دوسرے ذرائع ابلاغ کے ذریعہ سے اس فتنے سے لوگوں کو باخبر کیا اور وہ فتنہ الحمداللہ ختم ہو گیا۔

۱۱۔ اسی طرح ۱۹۷۰ء میں ملک میں شوشلزم کے خلاف آپ نے جہد و جہد کی اور اس کے خلاف لوگوں کو آمادہ کیا۔ اس کے علاوہ اور بھی متعدد کارناموں سے حضرت مولانا کی زندگی بھری ہوئی ہے۔

ٹنڈو الہ یار میں مدرسہ کا قیام:

قیام پاکستان کے بعد مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے سندھ میں ٹنڈو الہ ہار کے مقام پر ایک مرکزی دارالعلوم قائم کیا۔

جس میں اس زمانے کے جید علماء کو جمع کیا۔ ان علماء میں حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ۔ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ، حضرت مولانا محمد مالک کاندھلویؒ اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن کیمل پوریؒ وغیرہ مشاہر علماء تھے۔ یہ بے شک ملک کی ایک ممتاز ترین درس گاہ تھی (اللہ دوبارہ اس میں بہار لے آئے)

مولانا احتشام الحق تھانویؒ اور خطابت:

حضرت مولانا ملک کے ایک مایہ ناز خطیب تھے۔ آپ کی دل آویز خطابت نے سینکڑوں انسانوں کو آپ سے قریب کر دیا۔ اور وہ آپ نے اپنی خطابت سے کتنے ہی دلوں کو تڑپایا۔ ایک مرتبہ آپ کی تقریر سن کر آپ کے استاد شیخ الاسلام محترم علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب نے فرمایا۔

''اب مجھے مرنے کی کوئی فکر نہیں ہے۔ الحمداللہ میرے بعد میرا جانشین پیدا ہو گیا ہے۔''

اسی طرح ایک موقعہ پر مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیعؒ صاحب نے فرمایا۔
’’مولانا احتشام الحق کے بعد کسی کی تقریر کی ضرورت نہیں رہتی وہ مجمع پر چھا جاتے ہیں۔‘‘ اسی طرح ایک موقعہ پر مفتی محمد شفیعؒ صاحب نے فرمایا تھا، جب مفتی صاحب کو مولانا کی تقریر کرنے کے بعد تقریر کرنے کو کہا گیا کہ کیوں محفل میں ٹاٹ کا پیوند لگانا چاہتے ہو۔

ریڈیو پر درس قرآن:

ریڈیو پاکستان سے آپ کے درس قرآن کا ایک سلسلہ شروع ہوا، جس کا آپ کوئی معاوضہ نہیں لیتے تھے عرصہ تک ریڈیو سے یہ دل کش آواز گونجتی رہی اللہ نے انتہائی مقبول آواز عطا فرمائی تھی۔ اور پھر بعد میں روزنامہ جنگ میں شائع بھی ہوتا رہا مگر افسوس کہ آپ کے انتقال پر یہ نامکمل ہی رہ گیا۔

آخری ایام اور وصال:

حضرت نے صد سالہ دارالعلوم دیوبند (انڈیا) کے جلسہ میں جانے کی کوشش کی۔ مگر این، او، سی، ملنے میں کچھ تاخیر ہوئی اس وجہ سے آپ جلسہ میں تو شرکت نہیں کر سکے مگر بعد میں تشریف لے گئے۔ اور پھر وہاں کے لوگوں کے اصرار پر آپ نے متعدد مقامات پر تقریر فرمائی۔ اسی سلسلہ میں آپ ہندوستان کے مشہور شہر مدراس تشریف لے گئے، جمعہ کے مبارک دن ۲۴ جمادی الاول ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۱ اپریل ۱۹۸۱ء اچانک دل کا حملہ ہوا جو جان لیوا ثابت ہوا اور وہاں ہی آپ نے موت کو لبیک کہہ دیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اٹھ گیا دنیا سے دل عزلت گزینی کے لیے
یاد تیری مل گئی ہے ہم نشینی کے لئے

تدفین:

آپ کی میت کو مدراس سے کراچی لایا گیا۔ اور پھر نشتر پارک میں جہاں آپ سالہا سال سے عیدین کی نماز پڑھاتے تھے۔ وہاں آپ کا جنازہ پڑھایا گیا۔ جیک لائن کی مسجد جہاں پر آپ اپنی مسحور کن خطابت سے لوگوں کے دلوں کو تڑپاتے تھے۔ آج آپ صرف اپنی آواز سے، نہیں بلکہ اپنی ذات سے بھی ہمیشہ کے لئے لوگوں کو محروم کر کے چلے گئے اور مسجد کے متصل ہی آپ کی تدفین وجود میں آئی۔

تعزیاتی پیغامات:

آپ کے انتقال پر ملک اور ملک کے باہر سے سینکڑوں لوگوں نے اپنے درد کا اظہار کیا۔

مہتمم دارالعلوم دیوبند مولانا قاری محمد طیب کا خراج عقیدت:

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے فرمایا: ''مولانا تھانویؒ کے انتقال سے دل پر سخت چوٹ لگی ہے۔ اور بے حد رنج وقلق ہوا ہے ان کی وفات سے پورے عالم اسلام کو عظیم نقصان ہوا ہے۔ وہ ایک جید عالم دین، عظیم مفسر، محدث، محقق اور بلند پایہ سیاستدان تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز فضلاء میں سے تھے اور پاکستان میں دارالعلوم دیوبند کے عظیم ترجمان اور علامہ عثمانیؒ کے علوم ومعارف کے جانشین تھے۔ اپنے وقت کے عظیم خطیب اور ملک کے عظیم رہنما تھے۔ حق تعالیٰ شانہ کو ان درجات عالیہ نصیب فرمائے (آمین)

مولانا محمد یوسف بنوریؒ کا تعزیتی پیغام:

اسی طرح مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے ان کے انتقال پر فرمایا ''مولانا سے سیاسی نظریات میں اختلاف ہوسکتا ہے مگر ان کے علم وفضل اور ان کی دینی اور علمی

خدمات سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔

حضرت مولانا عبداللہ درخواستی نے انتقال فرمایا حافظ الحدیث مولانا عبداللہ درخواستیؒ مولانا تھانویؒ کی وفات ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ وہ ایک حق گو عالم دین بے باک کماحقہ اور جامع اوصاف وکمالات کے مالک تھے۔ دارالعلوم ٹنڈوالہ یار جامع مسجد کراچی۔۲۲ نکاتی دستور۔قرآن حکیم کی تفسیر۔ یہ سب آپ کے صدقہ جاریہ ہیں اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔(آمین)

حضرت علامہ عبدالعزیز میمنؒ

(ادیب عربی وفارسی ومصنف کتب کثیرہ)

ملے خاک میں اہل شان کیسے کیسے
زمین کھا گئی آسماں کیسے کیسے

نام: عبدالعزیز والد کا نام: حاجی عبدالکریم بن یعقوب بن ربانی تھا۔

ولادت:

۱۸۸۸ء میں وطن مالوف گونڈل ضلع راجکوٹ کاٹھیاواڑ میں پیدا ہوئے۔

تحصیل علوم:

ان کے والد حاجی عبدالکریم نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ نے ان کو نرینہ اولاد عطا فرمائی تو وہ اس کو عالم دین بنائیں گے۔

ابتدائی علم تو آپ نے اپنے علاقے میں حاصل کیا اس وقت دہلی میں ایک مشہور عالم دین میاں نذیر حسین دہلویؒ تھے۔ ان کی خدمت میں عبدالعزیز کو ان کے والد نے بھیجا مگر اللہ کی یہ عجیب قدرت ہوئی کہ جس وقت عبدالعزیز ان کے گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ آج ہی ان کا انتقال ہوا ہے۔ یہ علم تو ان سے حاصل نہ کر سکے مگر ان کے غسل اور دفن کرنے میں مدد کی، اور ان کی میت کو کاندھا دیا، بہر حال اس کے بعد مولانا عبدالرحمٰن اور مولانا بشیر سہوانی، ڈپٹی نذیر احمد اور شیخ حسین وغیرہ سے علم حاصل کیا۔

اور پھر ۱۹۰۹ء میں آپ امروہہ تشریف لے گئے اور وہاں کے علماء سے علم حاصل کیا اور پھر فلسفہ اور منطق کے علم کا ذوق وشوق ان کو رام پور کے مدرسہ عالیہ میں لے گیا۔ وہاں پر اس وقت علامہ محمد طیبؒ کا درس بہت مشہور تھا ان سے بھی خوب

استفادہ کیا۔

حافظہ:

علامہ عبدالعزیز میمن کی یادداشت علمائے سلف کی سی تھی۔ سیکڑوں عربی قصائد اور ہزاروں اشعار نوک زبان تھے۔ کتب درس نظامی کی متنبی اور حماسہ ان کو مکمل حفظ تھی۔ مفصلات، الکامل للمبرد، البیان والتبیین وغیرہ کتب کا اکثر حصہ ان کو ازبر تھا۔ ان کی یادداشت کے بارے میں ایم اے آر شاہین فرماتے ہیں کہ آپ عربی مضامین والفاظ کے استعمال کا حوالہ کتابوں مضمون، پیراگرافوں اور لائنوں سے دیتے تھے۔ حوالہ جات بلا تکلف زبان پر ہوتے تھے۔

ایک موقعہ پر دو عرب علماء نے ایک پرانی دستاویز کے بارے میں جب ان سے سوال کیا تو علامہ عبدالعزیز نے فرمایا کہ یہ دستاویز پیرس یونیورسٹی کی فلاں لائبریری میں فلاں نمبر کی شیلف میں ہے یہ سن کر وہ دونوں عرب علماء حیرت میں رہ گئے۔ مگر یہ بات علامہ عبدالعزیز کے لئے معمولی بات تھی اس قسم کے ان کی زندگی میں بے شمار واقعات ہیں۔

رام پور کے قیام کے دوران ۱۹۱۱ء میں انھوں نے پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان بھی دیا جس میں اول آئے۔ اس کے بعد آپ نے ایک بار پھر مذکورہ یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان خانگی طالب علم کی حیثیت سے دیا اور اس بار بھی اول آئے۔ اسی اثناء میں آپ کو ایڈورڈ مشن کالج پشاور میں عربی و فارسی لکچرار کی حیثیت سے ان کو جگہ مل گئی۔ آپ وہاں تشریف لے گئے۔ پشاور کے قیام کے دوران میں آپ نے عربی کے نصاب تعلیم کی اصلاح کے سلسلے میں رسالہ ''مخزن'' میں بڑے معرکے کے مضامین لکھے جو بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ یکم اپریل ۱۹۲۱ء کو مولوی محمد شفیع صاحب نے اورنٹیل کالج لاہور میں آپ کو بطور استاد عربی مقرر کیا اس وقت مذکورہ ادارے میں مولوی محمد شفیع کے علاوہ مولانا نجم الدینؒ اور مولانا سید محمد طلحہؒ جیسے

علماء بھی موجود تھے۔ نیز شعبہ فارسی میں شیخ محمد اقبال اور سید وجاہت حسین شادابی بلگرامی جیسے لوگ تھے۔ ان حضرات کی صحبت سے علامہ موصوف کے علم میں مزید نکھار آ گیا۔ یہاں آپ چند سال میں ترقی کر کے صدر شعبہ عربی و فارسی ہو گئے اورنٹیل کالج لاہور کی ملازمت کے دوران آپ نے پنجاب یونیورسٹی کی کتب عربیہ کا سلیس بامحاورہ اردو میں ترجمہ کیا۔ جس سے طلباء کو کافی فائدہ پہنچا۔ اکتوبر ۱۹۲۵ء میں آپ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں عربی کے ریڈر مقرر ہوئے۔ یہاں پر آپ پہلے غیر یورپین تھے جس نے ترقی کر کے شعبہ عربی کے صدر کا عہدہ سنبھالا۔ بقول آپ کے عزیز ترین شاگرد پروفیسر ڈاکٹر سید محمد یوسف بلاشبہ علامہ عبدالعزیز میمنی پہلی ہندوستانی، مسلم اور میمن شخصیت ہیں جو علم ادب عربی میں منفرد مقام حاصل کرنے کی بنیاد پر صدر شعبہ عربی کے منصب پر پہنچے۔

آپ سے پہلے مذکورہ عہدے پر ڈاکٹر هارورڈ (جرمنی) ڈاکٹر آرنلڈ، ایس ٹریڈن (برطانیہ) اور ڈاکٹر شام (جرمنی) جیسے عالمی شہرت یافتہ لوگ فائز تھے۔ علامہ میمنی کے ایک مایہ ناز شاگرد پرورفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد نے مجلّہ ''المجمع العلمی الھندی'' میں تحریر کیا ہے کہ یہ سیٹ طویل عرصہ کے بعد علامہ میمنی نے اپنی صلاحیت و قابلیت کی بناء پر حاصل کی۔ جب کہ اس سے پہلے اس منصب پر روڈس اور ٹریٹون جیسے بین الاقوامی لوگ فائز تھے۔ اس بات کا انکشاف پروفیسر جوزیف فیوک نے اپنے اس خط میں کیا جو انھوں نے علامہ مینی کو مذکورہ منصب پر فائز ہونے کے بعد بطور مبارکباد تحریر کیا تھا۔

تقسیم ہند کے بعد یا اس سے پہلے ہی علامہ عبدالعزیز لاہور تشریف لے آئے تھے۔

عجیب لطیفہ:

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں کہ جب تقسیم ہند ہوئی تو میں حجاز

میں تھا میں مسجد نبوی میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک سوڈانی عالم میرے پاس آئے اور مجھ سے پوچھا کہ پاکستان بن گیا ہے؟ اس کا صدر کس کو بنایا گیا ہے؟ میں نے کہا کہ مسٹر جناح کو، اس پر وہ سوڈانی عالم کہتے تھے کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ جس ملک میں علامہ عبدالعزیز میمن جیسا یگانہ روزگار فاضل موجود ہو تو ان کو چھوڑ کر دوسرے کو صدر بنانا کیسے درست ہے۔

علامہ عبدالعزیز میمن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ۱۹۱۵ء میں اپنے صاحبزادے پروفیسر ڈاکٹر محمد محمود میمن اور دیگر اقرباء سے ملنے کے غرض سے پاکستان تشریف لائے اور ڈاکٹر ممتاز حسن (سابق گورنر اسٹیٹ بینک) اور دیگر حضرات کے اصرار پر آپ نے ادارہ تحقیقات اسلامی کے اعزازی ڈائریکٹر جنرل کا عہدہ سنبھالا۔ بعد ازاں ۲ جنوری ۱۹۵۶ء میں جب کراچی یونیورسٹی میں شعبہ عربی قائم ہوا تو ڈاکٹر ممتاز حسن اور پروفیسر ڈاکٹر ابوبکر احمد حلیم (پہلے وائس چانسلر جامعہ کراچی) کی درخواست پر آپ صدر شعبہ مقرر ہوئے۔ جناب نصیب اختر صاحب نے اپنی ایک تصنیف ''تاریخ جامعہ کراچی'' میں تحریر کیا ہے کہ جامعہ کراچی میں شعبہ عربی اگست ۱۹۵۵ء میں قائم ہوا اور علامہ میمنی اس کے پروفیسر اور چیئرمین مقرر ہوئے۔

آپ نے یہاں تین سال گزارے پھر ۱۹۵۸ء میں پنجاب یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر حمید احمد خان کے اصرار پر مذکورہ یونیورسٹی کے شعبہ عربی میں دو سال تک خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد ۱۹۶۴ء میں ڈاکٹر ممتاز حسن کی دعوت پر عربی زبان و ادب کے صدر شعبہ بن کر اورینٹل کالج تشریف لے گئے جہاں سے چند سال بعد پیرانہ سالی کی وجہ سے دوبارہ کراچی تشریف لائے اور یہاں سندھ یونیورسٹی اور کراچی یونیورسٹی سے پروفیسر ایمیرٹس کی حیثیت سے وابستہ رہے۔

علی گڑھ سے سبکدوشی کے بعد مصر، سعودی عرب اور ایران کی یونیورسٹی نے ان کی خدمات حاصل کرنے کی بے حد کوشش کی۔ مگر آپ نے ضعیفی کی وجہ سے ان سے

معذرت کرلی۔

اولاد:

علامہ میمنی کے بڑے صاحبزادے پروفیسر ڈاکٹر محمد محمود میمن سابق پروفیسر شعبہ جغرافیہ سندھ یونیورسٹی نے اپنے ایک تحقیقی مضمون میں تحریر کیا ہے کہ علامہ میمنی کے تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہیں۔ صاحبزادوں میں سب سے بڑے (۱) پروفیسر محمد محمود میمن، (۲) پروفیسر ڈاکٹر محمد عمر میمن صاحب جو حال ہی میں وسکانسن یونیورسٹی امریکہ سے ریٹائر ہوئے (۳) جناب محمد سعید میمن صاحب یہ اپنا ذاتی کاروبار کرتے تھے اور ناظم آباد کراچی میں مقیم ہیں۔ صاحبزادیوں میں زبیدہ خاتون، سکینہ بانو اور صفیہ میمن مرحومات و مغفورات ہیں۔

شاگرد:

آپ کے یوں تو لاتعداد شاگرد ہیں جنھوں نے آپ سے ایڈورڈ مشن کالج پشاور اورینٹل کالج لاہور، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، کراچی یونیورسٹی اور سندھ یونیورسٹی اور پنجاب یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی۔ مگر چند معروف و مشہور طلباء کے نام اور بعض کا مختصر تعارف یہ ہے۔

۱۔ ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ ۲۔ مولوی امتیاز علی عرشی ۳۔ ڈاکٹر سید عبداللہ ۴۔ پروفیسر ڈاکٹر سید محمد یوسف۔ سابق پروفیسر و صدر شعبہ عربی، جامعہ کراچی۔

۵۔ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ۔ سابق وزیر تعلیم صوبہ سندھ و سابق وائس چانسلر سندھ یونیورسٹی و بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد اور موجودہ اعزازی پروفیسر سندھ یونیورسٹی۔

۶۔ پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد۔ سابق صدر شعبہ عربی و مدیر مجلہ "اص کں ع العلمی الھندی"

وموجودہ وائس چانسلر مولانا مظاہر الحق عربی وفارسی یونیورسٹی پٹنہ، انڈیا۔

۷۔ پروفیسر ڈاکٹر خورشید احمد فاروق۔ سابق صدر شعبہ عربی دلی پٹنہ، (انڈیا)۔

۸۔ پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر۔ سابق صدر شعبہ عربی پنجاب یونیورسٹی و مدیر مجلہ ''المجمع العربی الباکستانی'' موجودہ اعزازی پروفیسر پنجاب یونیورسٹی۔

۹۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر ملک۔ سابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ وسابق ڈین کلیہ معارف اسلامیہ کراچی یونیورسٹی۔

۱۰۔ پروفیسر سید محمد سلیم۔ سابق پرنسپل جامعہ اسلامیہ منصورہ حیدرآباد۔

تصنیفات وتالیفات:

ڈائریکٹر ریسرچ، ادارہ تعلیمی تحقیق، تنظیم اساتذہ پاکستان ادارہ نے سید مرحوم کی کئی کتب شائع کی ہیں۔ آپ نے تقریباً ۳۰ تصنیف فرمائیں کتابیں اور سب کی سب بہت ہی زیادہ تحقیقی اور اہمیت کی حامل ہیں اس لئے ان کی کتابوں کے ساتھ مختصر سا تعارف نامہ بھی لکھا جاتا ہے۔

(ا)۔ ابوالعلاء وما الیہ:

یہ علامہ میمنی کا پہلا علمی اور تحقیقی کارنامہ ہے اس کتاب میں آپ نے ادبائے مشرق ومغرب کے افکار وخیالات کا جائزہ لیا ہے۔ اس کی اشاعت پر ادبائے عرب و مستشرقین نے علامہ موصوف کو بہت داد دی، شان تحقیقی اور وسعت نظر کی دل کھول کر تعریف کی۔ یہ دار المصنفین نے ۱۳۴۴ھ قاہرہ سے شائع کروائی اور اس کتاب کو شائع کرنے کا اہتمام علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بڑے اہتمام سے کیا تھا۔

حضرت ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں ابوالعلماء کے سلسلہ میں مصر کے مشہور صاحب طرز ادیب وانشاء پرڈرز ڈاکٹر طہ حسین کو آخری سند سمجھا جاتا تھا ان کی کتاب

ذکری ابی العلماء کرنے مشرق وسطی میں سے دھومچا رکھی تھی عربی ادب کے طالب علم اس کو پڑھ کر جھوم جھوم جاتے تھے۔لیکن عبدالعزیز میمن کی کتاب ابوالعلاء وما الیہ نے اس کو بہت پیچھے چھوڑ دیا۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی فرماتے ہیں کہ میں نے یہ کتاب جب پڑھی تو میں مولانا کی تحقیق ومطالعہ اور کاوش ومحنت کا قائل ہوگیا۔

اس کتاب پر علامہ احمد تیمور، شیخ احمد الاسکندری، شیخ عبدالوہاب، علامہ احمد شاکر وغیرہ نے بری اچھی تقریظین لکھی ہے جس میں مصنف کی وسعت مطالعہ دیدہ ریزی اور علمی تحقیقات کی خوب داد دی ہے۔

(۲)۔سمط اللالی:

علامہ کا دوسرا اہم علمی وتحقیقی کارنامہ امالی القالی کی شرح کو ایڈٹ کرنا ہے۔جوابو علی القالی متوفی (۳۵۶ھ) کی الامالی عربی ادب کی ''امھات الکتب'' میں شمار ہوتی ہے۔ابن خلدونؒ اپنے مقدمے میں تحریر کہ '' جسے ادب عربی حاصل کرنا ہو۔اسے اسی کے چار اصل الاصول کتابوں کو یاد رکھنا چاہیے۔

۱۔البیان والتبین للجاحظ ۲۔الکامل للمبرد ۳۔الامالی لابی علی القالی

۴۔ادب الکاتب لابن قتیبہ (۷)

ابوعبید البکری متوفی (۴۸۷ھ) نے امالی کی ایک بلند پایہ شرح ''اللآلی'' کے نام سے تحریر کی تھی جو ایک عرصہ سے نایاب تھی۔علامہ میمنی نے سات سال کی تلاش و تحقیق کے بعد اس کے متعدد نسخے حاصل کئے۔ پھر ان کے آپس میں مقابلے اور تصحیح سے ایک صحیح نسخہ مرتب کیا۔اس پر حواشی لکھے۔شارح کی غلطیوں اور فروگزاشتوں کی نشاندہی کی۔ علامہ موصوف نے یہ مایہ ناز کتاب تین جلدوں میں مصر سے شائع کرائی۔اس کی اشاعت پر علمی حلقوں میں خوب پذیرائی ہوئی جس کی بدولت علامہ کا نام ساری دنیا میں پھیل گیا اور خاص طور پر عالم عرب میں آپ کی شہرت ہوئی۔ بقول ابوالحسن علی ندوی کے اس کی وجہ سے ہندوستان کو عالم عرب میں عزت وشرف حاصل

ہوئی۔

(۳)۔خزانہ الادب

اس کے بعد علامہ میمنی نے فاضل مدیر محب الدین الخطیب کی فرمائش پر ''خزانۃ الادب'' جس کے مصنف عبدالقادر بغدادی ہیں۔اس کی جدید اشاعت میں حصہ لیا۔ اس کی صرف چار جلدیں شائع ہو سکیں۔ یہ کتاب ویسے دیکھنے کو تو شیخ رضی استرابادی شرح کافیہ کے شواہد کی شرح ہے لیکن حقیقت میں عربی ادب کا خزانہ ہے۔ جس سے کوئی ادیب مستغنی نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کو مشہور محقق، عالم، استاد عبدالسلام محمد ہارون نے جدید تحقیق، تصحیح اور تحشیہ کے تمام لوازمات کے ساتھ اس کو شائع کیا ہے۔

(۴) لسان العرب

لغت کی تدوین کوئی آسان کام نہیں ہے اور پھر عربی کی سب سے اہم لغت کی اشاعت یہی وجہ ہے کہ اس کی اشاعت کے سلسلے میں ایک مکمل کمیٹی بنائی گئی۔اس میں چوٹی کے علماء وفضلاء شامل کئے گئے۔علامہ میمنی بھی اس کمیٹی کے رکن تھے اگر چہ اس کی اب تک صرف ایک ہی جلد شائع ہوئی۔ جب کہ اس جلد کی کاوش میں جناب علامہ عبدلواحد بھی ان کے شریک کار تھے۔

ا۔ابن رشیق

دراصل یہ علامہ میمنی کے اردو زبان میں دیئے گئے وہ لکچرز ہیں جو آپ نے سن ۱۹۲۳ء میں ''جمعیۃ الشرقین'' میں دیئے تھے۔جن کا کچھ عرصہ بعد عربی زبان میں ترجمہ کیا گیا اور جو مجلہ معارف (جو اعظم گڑھ انڈیا سے شائع ہوتا ہے) میں ۱۹۲۴ء میں شائع ہو چکے ہیں انھیں علامہ میمنی نے ۱۹۲۴ء۔۱۹۲۵ء میں مطبعہ سلفیہ قاہرہ سے بھی

شائع کرایا تھا۔

۲: نسب عدنان وقحطان

یہ ابوالعباس محمد بن یزید المبرد کی تصنیف ہے جو ۱۹۳۶ء میں لجنۃ التالیف والترجمہ کے ساتھ شائع کرائی گئی۔

۳۔ ما اتفق لفظہ واختلف معناہ:

یہ قران مجید کی تفاسیر میں سے ابوالعباس محمد بن یزید مبرد نحوی متوفی (۲۸۵ھ) کی تصنیف ہے جو ۱۳۵۰ھ میں مطبعہ سلفیہ قاہرہ سے شائع ہوئی۔

۴۔ الطرائف الادبیۃ:

یہ ایک شعری مجموعہ ہے جو دو حصوں پر مشتمل ہے پہلے حصہ میں دیوان الافوہ الاودی، دیوان شنفر الازدی اور نادر اور نایاب قصائد مذکور ہیں۔ جب کہ دوسرا حصہ دیوان ابراہیم بن عباس صولی، متنبّی، بحتری، ابو تمام اور ابوالقاہر جرجانی کے منتخب اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ لجنۃ التالیف سے ۱۹۲۷ء میں شائع کرائی گئی۔

۵۔ اقلید الخزانۃ:

یہ لاہور سے ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی جسے پروفیسر محمد شفیع صاحب نے انگریزی میں منتقل کیا اور انگریزی فہرست میں مولفین کے ناموں میں اضافہ کیا۔ اقلید کی یہ فہرست (جس پر علامہ عبدالقادر بغدادی نے اپنی کتاب خزانۃ الادب میں حاشیہ تحریر کیا ہے) بہت باریک ہے اور یہ اقلید کی قدر و منزلت میں اضافہ ہے۔ بلاشبہ علامہ عبدالعزیز میمنی نے اپنے حاشیے میں ان حاشیوں کی طرف اشارہ کیا جو ان کتابوں اور مخطوطات میں ہندوستان کی ہر خاص و عام لائبریری میں موجود ہیں۔

٦ . رسالہ عرام بن اصبح سلمی اعرابی فی اسماء جبال تهامة سكهانها و مافيها من الترمزی:

یہ کتاب مجلّہ ''اورینٹل کالج مغازین'' میں لاہور سے ۱۹۲۷۔۱۹۳۹ء میں

شائع ہوئی ہے۔

۷. زیادات المتنبی:

یہ کتاب مطبعہ سلفیہ قاہرہ سے ۱۹۲۶ - ۱۹۲۷ میں شائع ہوئی ہے علامہ عبدالعزیز میمنی اپنے سفر کے دوران (ذوالحجہ ۱۳۴۳ھ) گاؤں حبیب گنج جو علی گڑھ کے مضافات میں ہے گزر رہے تھے کہ اچانک آپ کو حبیب الرحمٰن خان شروانی کی لائبریری کے بارے میں معلوم ہوا۔ اس میں علامہ موصوف نے بڑی قیمتی، نایاب و نادر کتابوں کو ملاحظہ کیا۔ خاص طور سے عربی و فارسی کی ادبی اور لغوی کتابوں کو دیکھ کر اپنے قلب کو سرور بخشا۔ جن میں سے دیوان متنبی اور کتاب مستجاد من فعلات اجواد قاضی ابوعلی محسن تنوخی وغیرہ کتابیں دیکھی اور پھر آپ نے جتنی زیارات تحریر کی۔

۸۔ ثلاث رسائل:

یہ کتاب مطبعہ سلفیہ قاہرہ سے ۱۹۲۵ء ۱۹۲۶ء میں شائع ہوئی ہے۔ یہ لکھنو اور بمبئی کی کتب خانوں کے تین نادر و نایاب کتابیں ہیں۔ پہلا رسالہ "مقالہ کلا و ماجاء منھافی کتاب اللہ" یہ ابوالحسین احمد بن فارس کا رسالہ ہے۔ دوسرا رسالہ "کتاب ماتلحن فیہ العوام" یہ علی بن حمزہ کسائی کا ہے۔ تیسرا رسالہ یہ "محی الدین ابن عربی" امام فخر الرازی کا ہے۔ ان تینوں رسالوں کی تحقیق کر کے علامہ عبدالعزیزؒ نے شائع کروایا۔

۹۔ دیوان شنفری:

یہ دراصل کتاب طرائف الادبیۃ کا پہلا حصہ ہے جو دیوان الافوہ الاودی اور دیوان شنفری الازدی جو نادر قصائد پر مشتمل ہے اس کی اشاعت لجنۃ التالیف سے ۱۹۲۷ء میں ہوئی ہے۔

۱۰۔ دیوان ابراہیم الصولی:

یہ طرائف الادبیۃ کا دوسرا حصہ ہے جو دیوان ابراہیم بن عباس صولی، متنبی، بحتر اور ابوتمام کا شعری مجموعہ ہے جسے عبدالقاہر جرجانی نے تالیف کیا۔ اس کی اشاعت لجنتہ التالیف سے ۱۹۲۷ء میں ہوئی ہے۔

۱۱۔ دیوان حمید بن ثور الھلالی:

یہ ابودوادایادی کا قصیدہ ہے مطبعہ دارلکتب مصیرۃ سے ۱۹۵۱ء میں شائع ہوا ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ علامہ موصوف نے دیوان حمید کو جدید تحقیق کے ساتھ مزین کیا۔ یہ وہ مخطوطہ ہے جو پروفیسر احمد تیمور کے لئے بعنوان منتخبات من کتابین المنتخب فی محاسن اشعار العرب لکھا گیا تھا۔ علامہ موصوف نے ان تین قصائد کی بھی تصحیح کی جو اس میں وارد ہیں۔ علامہ میمن نے اس دیوان کو شہر علی گڑھ میں پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ اور باقاعدہ تاریخ بھی اس پر تحریر فرمائی (ذوالحجتہ الحرام ۱۹۳۷۔ ۱۹۳۸)

دیوان سقط الزند:

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں کہ میں نے خلیل عرب اور مولانا عبدالحلیم صدیقی مرحوم سے یہ کتاب بڑی محنت سے پڑھی۔ اس کا اکثر حصہ مجھ کو زبانی یاد بھی ہے۔

۱۲۔ الفاضل للمبرد:

یہ ابوالعباس محمد بن یزید مبرد کی تصنیف ہے جو مطبعہ دارالکتب مصریہ سے ۱۹۵۶ء میں شائع ہوئی ہے۔ علامہ نے اس نسخہ کو استنبول (ترک) سے فوٹو اسٹیٹ کر کے حاصل کیا جسے بعد میں تمام خامیوں سے پاک کر کے اپنے گھر علی گڑھ میں مکمل کیا اور پھر شائع کروایا۔

۱۳۔ خلاصۃ السیر:

یہ علامہ طبری کی تصنیف ہے اس کی اشاعت دہلی میں ہوئی۔

۱۴۔ابواب مختارۃ:

یہ دراصل ابو یوسف یعقوب بن اسحاق اصبہانی کی کتاب کا حصہ ہے جب کہ اس کی اشاعت مطبعہ سلفیہ قاہرہ سے ہوئی ہے۔

۱۵۔الفائت:

یہ مطبعہ سلفیہ قاہرہ سے ۱۳۵۴ھ میں شائع ہوئی ہے یہ دراصل ابوالعلاء المعری کے وہ گمنام اشعار ہیں جو دوسری معروف کتابوں میں نہیں ملتے ہیں۔

۱۶: دیوان سحیم معبد بنی الحسحاس:

یہ مطبعہ دارلکتب مصریہ سے ۱۹۵۰ء میں شائع ہوئی کتاب مذکورہ طویل عرصہ تک لاوارث کی طرح کتب خانوں مین پڑی رہی یہ علامہ میمن کا کارنامہ ہے کہ آپ نے قلم باکمال استعمال کر کے اس نادر کتاب کو قابل مطالعہ بنایا۔

۱۷۔المنقوص والممدود:

منقوص اور ممدود یہ علامہ فراء کی تصنیف ہے جب کہ تنبہات یہ علی بن حمزہ بصری کی ہے یہ دونوں کتابیں سلسلہ ذخائر العرب میں دارالمعارف مصر نے ایک ہی جلد میں شائع کی ہیں ۱۹۶۷ء

آپ کی دیگر تصانیف یہ ہیں۔

۱۸۔التنبھیات ۱۹دیوان کعب ۲۰اختیار الجرجانی ۲۱۔اغلاط منجم الادباء یاقوت ۲۲۔حواشی اللسان ۲۳۔فرائد القصائد۔۲۴۔المداخل ۲۵۔الشف ۲۶:نظرۃ علی دیوان نعمان بن بشیر الانصاری وغیرہ۔

سخاوت:

مولانا کے اندر اللہ نے سخاوت بہت رکھی تھی۔آخری ایام میں مولانا نے تین لاکھ کی رقم ندوۃ العلماء لکھنو، کو روانہ کی جس سے ندوہ والوں نے مولانا کے نام کا ایک

گوشہ Corner قائم کردیا جس سے وہاں کے طلباء وفضلاء فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

اسی طرح انھوں نے جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کو بھی اپنی ذاتی رقم سے ایک اچھی رقم عطا کی۔ اسی طرح سے انھوں نے متعدد دینی اداروں کو اپنی رقم دی۔

اعزازات:

علامہ موصوف کو یہ اعزاز حاصل رہا کہ آپ دمشق کی مشہور علمی اکیڈمی المجمع العلمی" کے رکن ۱۹۲۸ء سے لے کر تادم آخر ۱۹۷۸ء تک رہے آپ کی قابلیت اور خدمات کو مدنظر رکھتے ہوئے جامعہ ازہر نے آپ کو ڈاکٹریٹ کی اعزازی سند دی۔ مگر لطف کی بات یہ ہے کہ آپ نے عمر بھر اپنے نام کے آگے کبھی بھی ڈاکٹر کا لفظ نہیں لکھا۔ آپ کی خدمات کے اعتراف میں حکومت پاکستان نے ۱۹۶۵ء میں آپ کو پرائڈ آف پرفارمنس کا صدارتی تمغہ اور دس ہزار روپے نقد کا انعام بھی دیا تھا۔

وصال:

بمقام کراچی ۹۰ سال کی عمر میں ۱۲۸ کتوبر ۱۹۷۸ء شب ساڑھے تین بجے آپ نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا تعزیتی پیغام:

آپ کے انتقال پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں "میں بمبئی میں تھا ۶ یا ۷ نومبر کو ہمارے ایک عزیز نے علامہ عبدالعزیزؒ کی وفات کی اطلاع دی۔ ہزاروں میں سے چند کو ہی اس کا اندازہ ہوگا کہ یہ برصغیر ہی نہیں بلکہ یہ عہد عالم عربی کے عظیم المرتبت ادیب اور عربی زبان کے مبصر و محقق سے محروم ہوگیا۔ زمانے کے حالات تعلیمی نظام اور قدیم و جدید مدارس کی جو کیفیت اس وقت دیکھنے میں آ رہی ہے

اس سے کیا امید کی جاسکتی ہے کہ ان کا جیسا تبحر مستند اور صاحب نظر عربی ادب کا عالم پیدا ہوگا؟ میں نے ان کو تعزیتی خط میں یہ الفاظ لکھے تھے ان میں ذرا مبالغہ نہیں سمجھتا حجة اللغة العربية و مفخرة القارة الهندية اس عہد میں عربی زبان وادب میں سند کا درجہ رکھنے والے اور اس تحتی براعظم ہندو پاک کے لئے سرمایہ فخر ونازش۔

تدفین:

آپ کا قیام پی ای ایچ ایس سوسائٹی کراچی میں رہا وہاں پر ہی انتقال ہوا آپ کی نماز جنازہ مسجد رحمانیہ (قبرستان کے متصل مسجد) میں ادا کی گئی اور سوسائٹی کے ہی قبرستان میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔

بقول شاعرہ:

صورتیں کیا کیا ملی ہیں خاک میں
ہے دفینہ حسن کا زیر زمیں

حضرت مولانا طفیل احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

صحن چمن کو اپنی بہاروں پر ناز تھا
وہ آگئے تو ساری بہاروں پر چھا گئے

نام: طفیل احمد

ولادت:

حضرت مولانا طفیل احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۰۴ء میں سمنا کے مقام پٹیالہ اسٹیٹ (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔

تحصیل علوم:

ابتداء حضرت مولاناؒ نے اسکول کی تعلیم میٹرک تک کرنال (انڈیا) میں اپنے نانا، نانی کے زیر سرپرستی حاصل کی۔ آپ کے والدین کا انتقال آپ کے بچپن میں ہی ہو گیا تھا۔ گریجویشن تک اعلیٰ تعلیم آپ نے علی گڑھ اور جامعہ ملیہ میں حاصل کی۔ اس کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں سے درس نظامی میں فارغ التحصیل ہونے کی سند حاصل کی۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا محمد علی جوہرؒ کا اعتماد:

حضرت مولاناؒ نے مذکورہ بالا دو مشہور زمانہ مراکز علمی میں اپنے تعلیمی کیرئر کے درمیان دو نہایت اہم شخصیتوں کا اعتماد اور شفقت حاصل کی۔ ان میں سے ایک مولانا محمد علی جوہرؒ تھے جنھوں نے علی گڑھ میں اپنے اس لائق طالب علم پر نظر عنایت فرمائی اور ان کی علمی کوششوں کو جلا بخشی جبکہ۔ دوسرے بزرگ شیخ الحدیث مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ تھے جنھوں نے التفات خاص کے ذریعہ اپنے اس ہونہار طالب علم کی خوبیوں

کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا اور ان میں پہلے سے ودیعت شدہ عصری و اسلامی تعلیم کے امتزاج کو قوت مزید بخشی۔

عام طور پر مولاناؒ علاقائی سیادت کو بہتر بنانے کے خواہش مند ہونے کے ساتھ ساتھ بالخصوص مسلمانوں کی ترقی کے متمنی تھے لہٰذا انھوں نے قرآن وسنت کی روشنی میں دین کے اصولوں کا قابل تعریف فہم حاصل کیا۔

مولانا طفیل احمدؒ اپنے وقت کی ان چند ہستیوں میں تھے جنھوں نے شروع ہی میں اس بات کو سمجھ لیا تھا کہ دونوں تعلیمیں (عصری اوز اسلامی) ہم آہنگی کے ساتھ مسلم نوجوانوں کو دی جائیں۔ ان کی رائے تھی کہ فی الوقت یہ ہی ایک عملی طریقہ ہے جس کے ذریعہ اسلام کو مضبوط کرنے اور پھیلانے میں مدد مل سکتی ہے۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ مسلمانوں کی نوجوان نسل کو عصری اور اسلامی ضوابط میں تربیت ہونی چاہیے جو ان کے خیال میں ایسی موثر طاقت ہوگی۔ جس کے ذریعہ اسلام کے وقار کو مادی دنیا میں بلند کیا جاسکتا ہے۔

حضرت مولاناؒ نے اس کام کو اپنا مقصد زندگی بنالیا تھا کہ مسلم نوجوانوں کی ایک ایسی جماعت تیار کی جائے جو معیاری اسلامی تعلیم سے آراستہ ہو اور عصری تعلیم کی بھی حامل ہو تاکہ مسلمانوں کے بااثر حلقوں میں خیالات اور نقطہ نظر کی ہم آہنگی پیدا ہوسکے۔ مولاناؒ نے اپنی تمام صلاحتیں اور تدابیر اس اعلیٰ مقصد کو حاصل کرنے کے لئے صرف کیں۔ چنانچہ ۱۹۴۸ء میں پاکستان ہجرت کے بعد انھوں نے اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل اقدامات کئے۔

مولانا طفیل احمد کا صدقہ جاریہ:

۱۔ دارالتصنیف (پرائیویٹ) لمیٹڈ۔

انھوں نے ایک ادارہ دارالتصنیف (پرائیویٹ) لمیٹڈ کے نام سے ۱۹۵۰ء میں قائم کیا جو کراچی کے مضافات میں مجاہد آباد، حب ریور روڈ کے مقام پر ایک کثیر المقاصد ادارے کی حیثیت سے قائم ہے۔

۲۔ ''یقین انٹرنیشنل کا اجراء'':

۱۹۵۲ء میں مولاناؒ نے ایک پندرہ روزہ رسالہ (یقین انٹرنیشنل) کا اجراء شروع کیا تا کہ اسلامی عقائد اور اصولوں کو حقیقی اور براہ راست طریقہ پر پیش کیا جا سکے۔ یہ رسالہ اپنی اشاعت کا ۵۲ واں سال مکمل کرنے کے قریب ہے۔ اس رسالے کی نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں۔

(i)۔ غیر فرقہ وارانہ۔

یہ رسالہ اسلام کو غیر فرقہ وارانہ اصولوں پر پیش کرتا ہے اور قریب قریب دنیا کے زیادہ تر ممالک کو بھیجا جاتا ہے۔

(ii)۔ اشتہار اور تصویروں سے پاک۔

اس رسالے میں شروع سے اب تک نہ تو کبھی کوئی اشتہار چھپا اور نہ ہی تصویر (فوٹو) چھپی۔

(iii)۔ قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ:

اس میں قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ تسلسل سے چھپ رہا ہے ساتھ ہی غیر عربی زبان کے لوگوں کی آسانئ فہم کے لئے عربی رومن کیا ہوا متن بھی چھپتا ہے۔

۳۔ مدرسہ تعلیم الاسلام:

۱۹۶۴ء میں مولاناؒ نے مدرسہ تعلیم الاسلام و تبلیغی کالج کے نام سے ایک اقامتی درسگاہ مجاہد آباد کے مقام پر کراچی میں قائم کی۔ جس میں روایتی اسلامی مضامین کے

ساتھ ساتھ عصری مضامین کی بھی تعلیم دی جانے لگی۔ اور اس درسگاہ میں پرائمری کلاسوں سے لے کر گریجویشن تک کا انتظام کیا گیا۔ اس مدرسہ میں قرآن مجید کو حفظ کرانے کا اور اس کو ناظرہ پڑھانے کا بھی انتظام کیا گیا حضرت مولاناؒ نے اس شعبہ میں مخصوص دلچسپی کا اظہار فرمایا۔ طلبہ کی دیکھ بھال بھی مولاناؒ نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی۔ راتوں کے مختلف اوقات میں دارالاقامہ میں چکر لگایا کرتے تھے طلبہ کے لئے وہ ایک خلیق سرپرست اور شفیق استاد تھے۔

۴۔ دست کاری کی تربیت:

مولاناؒ نے اس کثیر المقاصد مرکز میں دستکاری کی تربیت کی کلاسوں کا اجراء کیا تاکہ طلبہ مدرسہ سے فارغ ہو کر اس فن کو سیکھیں تاکہ وہ بعد میں باعزت زندگی گزارنے کے قابل ہوں۔

۵۔ قرآن مجید کی طباعت:

۱۹۶۸ء میں مولاناؒ نے قرآن مجید کی طباعت کے سلسلہ میں قابل قدر اقدامات کئے۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید خوبصورت نسخ میں جرمنی سے چھپوانے کا انتظام کیا گیا۔ دو قسم کے قرآن مجید چھپوائے گئے۔ ایک تو صرف عربی متن والا (معریٰ) ہے اور دوسرے میں عربی متن کے ساتھ حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کا ترجمہ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا تحریر کردہ حاشیہ بھی موجود ہے۔

۶۔ قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ:

قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ کرنے کے لئے مولاناؒ نے ایک بورڈ تشکیل دیا جس میں وقت کے جید علماء اور انگریزی زبان کے ماہر شریک تھے۔ مولانا خود اس بورڈ کے سربراہ تھے۔ یہ ترجمہ "یقین" کے ۷/ جون ۱۹۷۶ء کے شمارے میں چھپنا شروع ہوا اور ۲۲/ اپریل ۱۹۹۵ء کے شمارہ میں مکمل ہو گیا۔ ایک مرتبہ پھر ادارہ دار التصنیف

نے اس کی اشاعت وطباعت ۷/جنوری ۲۰۰۴ء کے شمارے سے شروع کی ہے جو ہنوز جاری ہے۔

۷۔حضرت شاہ ولی اللہؒ کا تبلیغی مشن:

اس مشن کو جاری رکھنے کے لئے جو لوگ اور ادارے بھی جس جس سطح پر کوشش کر رہے ہیں مولاناؒ نے ہر کوشش کی پشت پناہی کی اس سلسلہ میں انھوں نے مختلف اسلامی کتب کی اشاعت بھی کروائی۔ مولاناؒ اس مشن کے زبردست حامی تھے اور خود بھی جہاد کے جذبہ سے سرشار تھے۔

۸۔دورہ بالاکوٹ:

مولاناؒ شہداء اسلام کے بڑے مداحوں میں سے تھے۔اس سلسلہ میں ۱۹۷۸ء میں آپ نے بالاکوٹ کا دورہ کیا۔اپنے ساتھیوں اور جو لوگ بھی راستہ میں آپ سے ملے جہاد کی کوششوں کو مضبوط کرنے کی ترغیب دی اور ان کی توجہ شہداء بالاکوٹ کی قربانیوں طرف دلائی۔

۹۔جانباز فورس کی ٹریننگ:

اپریل ۱۹۷۹ء میں مسلح افواج پاکستان نے مدرسہ تعلیم الاسلام کے بالغ طلبہ کو سہ ماہی جانباز فورس کی تربیت دینے کی پیشکش کی۔ مولانا اس پیشکش سے بہت خوش ہوئے اور اس کو فوراً منظور کر لیا۔ ۶/جولائی ۱۹۷۹ء کو یعنی مولانا کے انتقال سے دو روز قبل مدرسہ کے پہلے دستہ نے تربیت مکمل کر لی۔اپنی حیات میں مولانا اس دستہ کی پریڈ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور جن طلبہ نے اس میں حصہ لیا تھا ان کو انعامات بھی دیئے۔

دارالتصنیف کے منصوبے:

حضرت مولانا کے پاس دار التصنیف کے مختلف شعبہ جات کی ترقی کے لئے بہت منصوبے تھے۔ جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

(الف)۔ کلام مجید کی تفسیر کی تالیف حواشی کے ساتھ۔

(ب)۔ آیات قرآنی کی شرح متعلقہ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں۔

(پ)۔ صحیح بخاری شریف کا انگریزی ترجمہ۔

(ت)۔ پندرہ روزہ یقین کو ترقی دے کر ہفت روزہ کرنا اور پھر روزنامہ بنانا۔

(ج)۔ مطبع (پریس) دار التصنیف میں جدید مشینوں کی تنصیب۔

(د)۔ دہلی کی جامع مسجد کی طرز پر ایک جامع مسجد کی تعمیر۔

(س)۔ سو (۱۰۰) بستروں کے ہسپتال کی تعمیر جو اب مرشد ہسپتال اور ہیلتھ کیئر سینٹر کے نام سے مجاہد آباد میں انسانی خدمت کر رہا ہے۔

(ش)۔ مسلم نوجوانوں کے لئے جو بالخصوص تبلیغ اسلام کو اپنا مقصد بنانا چاہیں مختلف مشرقی اور مغربی زبانوں کی تعلیم کا بندوبست کرنا تا کہ وہ صحیح طور پر مبلغین اسلام بن سکیں۔

(د)۔ چھوٹی بڑی صنعتوں کا قیام تا کہ طلبہ پیشہ ورانہ صلاحیت حاصل کر سکیں۔ اور صنعت کاروں اور مزدوروں میں اسلامی اخلاق کو فروغ حاصل ہو۔

(ر)۔ انگریزی میں اسلامی موضوعات اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کتابوں کی تصنیف واشاعت تا کہ مغرب کے تعلیم یافتہ لوگ اسلام کی رحمتیں حاصل کر سکیں۔

گو مولانا اپنی تعریف اور شہرت کو ناپسند فرماتے تھے۔ مگر ہم اس کو اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ہم چند الفاظ ان کے متعلق رقم کریں۔ مولانا نہایت با اخلاق شخصیت تھے اور بہت سادہ زندگی گزارتے تھے۔ ہر وقت ایک مسکراہٹ چہرہ پر ہوتی اور ہر فکر ونظر کے

لوگوں کوخوش آمدید کہتے۔نہایت رحم دل تھے اوراپنی گنجائش سے بڑھ کر پریشان حال لوگوں کی مدد کرتے۔ان کے علم کا یہ حال تھا کہ پیچیدہ مسائل کا آسان حل فوراً بتا دیتے۔ان غیر معمولی خوبیوں کے سبب مولاناؒ اپنے ساتھیوں میں ہر دلعزیز تھے اور ہمیشہ ہمیشہ ان کے دلوں میں ان کی یاد موجود رہے گی۔

بیعت وخلافت:

دنیاوی مشغولیت کے علاوہ مولاناؒ سلسلہ قادریہ مجددیہ غفوریہ رحیمیہ کے شیخ بھی تھے۔آپ حضرت مولانا عبداللہ شاہؒ صاحب کے خلیفہ مجاز تھے۔حضرت مولاناؒ دیوبند کے فارغ التحصیل اور وہاں کے اساتذہ میں سے تھے اور آپ کو خلعت اجازت حضرت مولانا عبدالرحیم شاہؒ صاحب نے دی تھی جو کہ خلیفہ مجاز حضرت مولانا عبدالغفور اخوندؒ صاحب سیدو بابا (سوات والے) تھے۔ سنت نبویﷺ کی سختی سے پیروی کرتے تھے جو لوگ اس سلسلہ میں مرید ہونے کے خواہشمند ہوتے ان کی مخصوص تربیت فرماتے۔

مولانا طفیل احمد فاروقیؒ سادگی کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔لوگوں میں اس طرح گھل مل جاتے کہ امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا۔دن بھر کی از حد مشغولیت کے بعد بھی خدارسیدگی کا یہ حال تھا کہ اپنے سلسلہ کے معمولات بڑی پابندی سے پورے کرتے۔مولاناؒ ایمان وعمل کی وہ پختہ مثال تھے جو دوسروں کے لئے مشعل راہ کا درجہ رکھتی ہے۔

قابل تحسین آراء:

تمہ کے طور پر ہم مسلم ہند کی دو مشہور ومعروف شخصیتوں کی مولانا طفیل احمد فاروقیؒ کے متعلق آرا پیش کرتے ہیں جن میں ایک تو مولانا محمد علی جوہرؒ ہیں اور دوسرے مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ ہیں۔مولانا محمد علی جوہرؒ نے جو اسلام کے مجاہد اور بیمثال سپوت ہیں مولانا طفیل احمد فاروقیؒ کی طرف اشارہ کر کے اساتذہ اور طلبہ کے

اجتماع میں فرمایا:۔

(۱)۔ ''دیکھو اس کے دل میں نبی کریم ﷺ کی محبت ہے۔ بیشک اس کا دل ہمارے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے سرشار ہے۔''

مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ نے فرمایا:۔

(۲)۔ ''طفیل احمد ان لوگوں میں سے ہیں جو ہمہ وقت دوسروں کی مشکل اور پریشانی دور کرنے کے لئے خود کو پریشانی میں ڈال دینے اور قربانی کے لئے تیار رہتے ہیں۔''

مولانا طفیل احمد فاروقیؒ کو جہاد فی سبیل اللہ سے عشق تھا۔ اسی عشق کی وجہ سے جس علاقے میں آپ نے مدرسہ کھولا اس کا نام بھی مجاہد آباد رکھا جو آج بھی اسی نام سے مشہور ہے اور اسی جہادی جذبہ کے پیش نظر آپ ہر سال بالاکوٹ امام المجاہدین امیر المومنین حضرت سید احمد شہیدؒ اور سید اسماعیل شہیدؒ کی قبر پر فاتحہ خوانی کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔

انتقال:

مولانا طفیل احمد فاروقیؒ نے بروز اتوار ۸ جولائی ۱۹۷۹ء میں کراچی میں انتقال فرمایا۔

تدفین:

اپنے قائم کردہ مدرسہ تعلیم الاسلام تبلیغی کالج مجاہد آباد کے قبرستان میں سپرد خاک کئے گئے۔

حضرت مولانا متین الخطیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(پھوپی زاد بھائی حضرت مولانا قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند)

دیکھا نہیں ابھی کچھ قحط الرجال تم نے
اس سے بھی سخت آنی آگے گرانیاں ہیں

آپ کا نام محمد متین خطیب اور والد کا نام مولانا محمد مبینؒ ہے۔ خطیب لقب ہے یہ لفظ اس خاندان کے ساتھ لگا ہوا ہے۔(۱)

ولادت:

۲۷ صفر ۱۳۲۶ھ مطابق ۳۱ مارچ ۱۹۰۸ بروز بدھ صبح صادق کے وقت آپ کی ولادت ہوئی۔

خاندان:

ان کے والد مولانا محمد مبین صاحب شیخ الہندؒ کے خاص شاگرد تھے۔ مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی والدہ ماجدہ ان کی پھوپھی تھیں جن کی حقیقی بھتیجی مولانا متین صاحب کی اہلیہ ہوتی ہیں۔ جن کی پرورش اور بعد میں شادی وغیرہ بھی حضرت قاری محمد طیبؒ کی والدہ ماجدہ نے کروائی۔ مولانا متین خطیب صاحب کی ننھیال دیوبند کے قضاۃ خاندان سے ہے اور منشی محمد اکرم خلیفہ مجاز حضرت حاجی عابد حسین صاحب کی صاحبزادی جن کا نام کنیز فاطمہ تھا یہ مولانا محمد متین خطیب صاحب کی والدہ ماجدہ تھیں نیز مولانا متین خطیب کے ماموں مولانا محمد مسلم عثمانی انبالہ چھاؤنی کے مدرسہ عربیہ معین الاسلام اور لائلپور کی جامع مسجد کے مدرسہ اشاعت العلوم میں صدر مدرس تھے۔

مولانا محمد متین خطیب کے والد مولانا محمد مبین صاحب کا انتقال کراچی میں ہوا اور ان کو دارالعلوم کورنگی میں مدفون کیا گیا۔

جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ نے فرمایا کہ درالعلوم کے قبرستان میں ایک عظیم المرتبت شخصیت اور ہمارے بزرگ عالم کی تدفین ہمارے لئے بڑی سعادت کا باعث ہے۔

تحصیل علوم:

۱۹۲۲ء میں مولانا محمد متین خطیبؒ صاحب کی ابتدائی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں ہوئی ان کی سعادت تھی۔ کہ ان کے ختم قرآن کی دعا حضرت مولانا محمود الحسن (شیخ الھند) نے خود کروائی۔

اس کے بعد آپ اپنے والد مولانا محمد مبین صاحبؒ کے ساتھ (جو انبالہ چھاؤنی مدرسہ معین الاسلام کے مہتمم تھے اور ان کے ماموں مولانا محمد حلیم صدر مدرس تھے) مدرسہ معین الاسلام میں چلے گئے تعلیم مکمل کرنے کے بعد احادیث کا درس لینے کے لئے آپ دوبارہ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے وہاں پر آپ نے مندرجہ ذیل اساتذہ سے احادیث کا درس لیا۔

(۱) حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ
(۲) حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ
(۳) حضرت مولانا سید اصغر حسینؒ صاحبؒ
(۴) حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی صاحبؒ
(۵) حضرت مولانا محمد رسول خان صاحبؒ
(٦) حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحبؒ

شادی:

۱۹۲۷ء میں آپ کا نکاح ہوا۔ نکاح دارالعلوم دیو بند کی مسجد میں حضرت مولانا حکیم محمد جمیل صاحب رکن مجلس شوریٰ نے پڑھایا۔ تقریب نکاح کے انتظامات مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی مہتمم دارالعلوم دیو بند نے کئے تھے اور رخصتی وغیرہ کی ساری تقریب مولانا قاری طیب صاحب کی والدہ محترمہ نے کروائی۔

تدریس:

۱۹۳۰ء میں آپ انبالہ اپنے والد ماجد کے مدرسہ، مدرسہ معین الاسلام میں تشریف لے گئے اور سترہ سال وہیں تدریس فرمائی۔ وہاں پر دورہ حدیث تک کتابیں پڑھائیں۔ اسی دوران مفتی عبدالشکور ترمذیؒ جیسے علماء نے آپ سے وہاں پڑھا۔ عیدین کی نماز کی امامت کے لئے دیو بند تشریف لاتے اور ویسے بھی اکابرین علماء دیو بند سے مشورہ وغیرہ کرتے رہتے تھے۔

آپ انبالہ کے مدرسہ میں ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء تک رہے۔

قیام پاکستان کے بعد دارالعلوم کراچی میں تشریف لے آئے، پھر یہاں ۳۰ سال تک تدریس فرمائی۔ اور نائب ناظم بھی رہے، ۱۹۵۷ء سے ۱۹۷۳ء تک آپ نے اردو کالج میں اسلامی نظریات بی اے، بی کام کے طلباء کو پڑھایا۔ اور پھر اردو کالج سے ریٹائر ہو کر کراچی یونیورسٹی میں چار سال کام کیا۔ آپ ہی کی کوششوں سے اسلامی نظریات کا مضمون کراچی یونیورسٹی میں لازمی قرار دیا گیا۔

پاکستان کی طرف ہجرت:

پاکستان بننے کے بعد پاکستان تشریف لے آئے آپ تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن بھی رہے، جب سے جمعیت علماء اسلام بنی اس وقت سے اس سے وابستہ رہے۔

کلکتہ میں جب جمعیت علماء اسلام کی بنیاد رکھی گئی اس اجلاس میں علامہ شبیر احمد

عثمانیؒ بیماری کی وجہ سے تشریف نہ لا سکے۔تو علامہ شبیر احمد صاحبؒ نے اپنی جگہ پر خطبہ صدارت اجتماع میں سنانے کے لئے جس شخصیت کا انتخاب فرمایا اس کا نام نام نامی حضرت مولانا محمد متین خطیب صاحب ہی تھا۔آپ کافی عرصہ تک جمعیت کے مرکزی ناظم اعلیٰ رہے اور گراں قدر خدمات انجام دیں۔

قیام پاکستان کے بعد آپ نے ابتداء لاہور شہر میں قیام فرمایا۔اور وہاں پر بھی آپ نے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی جو دارالعلوم الاسلامیہ کے نام سے معروف ہے۔

۱۹۵۱ء میں آپ کراچی منتقل ہو گئے اور پھر کراچی کے ہی ہو رہے۔

ریڈیو پاکستان کراچی سے منسلک:

۱۹۵۱ء سے ۱۹۷۶ء تک آپ ریڈیو پاکستان کراچی سے منسلک ہو گئے اور ''قرآن حکیم اور ہماری زندگی'' کے عنوان سے قرآن مجید کی تفسیر بیان فرماتے رہے، جو پورے ملک میں بہت شوق سے سنی جاتی رہی۔

عیدگاہ ناظم آباد کی خطابت:

کراچی آنے کے بعد ۱۹۴۹ء سے لے کر ۱۹۷۸ء عیدگاہ ناظم آباد میں عیدین کی نماز کی امامت وخطابت فرماتے رہے ہر سال اپنی خاندانی روایات کے مطابق عیدین کی امامت وخطابت خود ہی فرمایا کرتے اور جب کمزوری اور ضعف زیادہ ہوا انھوں نے اپنی جگہ پر شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب صاحبزادہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیعؒ کو مقرر کیا اس عیدگاہ میں تقریباً ایک لاکھ نمازیوں کی گنجائش ہے۔

اخلاق وعادات:

بڑے اچھے اخلاق کے مالک تھے۔ بڑے ہنس مکھ ملنسار نفاست پسند عالم تھے۔ جس سے بھی تعلق قائم کیا اس کو موت تک باقی رکھا۔ ہر کام کو خوش اسلوبی کے ساتھ کیا کرتے تھے۔

تواضع عاجزی:

علم میں پختہ تھے سترہ سال تک انبالہ مدرسہ میں تمام فنون اور علوم کی کتابیں پڑھائیں مگر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ جب کوئی مسئلہ وغیرہ معلوم کرتا اگر نہ آتا تو فوراً ''لاادری'' فرماتے کہ مجھ کو معلوم نہیں اور پھر مفتی محمد شفیعؒ صاحب سے معلوم کر کے بتاتے تھے۔

آخری ایام:

کافی عرصے سے آپ کو ذیابیطس کی شکایت تھی۔ جس کی وجہ سے کافی کمزوری ہو گئی تھی۔ وفات سے دس دن پہلے نمونیا بھی ہو گیا اور پھر مرض میں مسلسل اضافہ ہوتا ہی گیا۔ کراچی کے بقائی ہسپتال میں داخل بھی کیا گیا تھا۔ آخری ۲۴ گھنٹہ میں بے ہوشی رہی اور پھر اچانک طبیعت میں افاقہ ہوا۔ اسی دن ان کی صاحبزادی بیرون ملک سے پہنچیں مگر پھر اچانک طبیعت خراب ہونا شروع ہوئی اور پھر آہستہ آہستہ یہ بیماری بڑھتی ہی چلی گئی۔

وصال:

۹ فروری ۱۹۸۲ء کی صبح صادق کے وقت اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔

کیسے کیسے گھر اجاڑے موت نے
کھیل کتنوں کے بگاڑے موت نے

تجہیز و تکفین:

آپ کی تجہیز و تکفین سنت کے مطابق ہوئی، غسل دینے میں علماء شروع سے آخر تک شامل رہے۔

تدفین:

آپ کو دارالعلوم کورنگی کے احاطہ کے قبرستان میں ہی مدفون کیا گیا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

باقیات صالحات:

آپ کے بے شمار شاگرد پاکستان و ہندوستان اور دوسرے باہر ممالک میں ہیں، اس کے علاوہ آپ کے تین صاحبزادے۔ محمد معین صدیقی۔ محمد امین صدیقی۔ محمد ذہین صدیقی ہیں اور پانچ لڑکیاں ہیں۔

حضرت مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(داماد حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب)

چاہا خدا نے تیری محفل کا ہر چراغ

یونہی جلا کرے گا بجھایا نہ جائے گا

نام: نور احمد والد کا نام: سیف الملک۔ نسب کے اعتبار سے علوی تھے۔

ولادت:

آپ کی ولادت ۱۹۲۰ء میں برما کے صوبہ ارکان میں ضلع اکیاب کی تحصیل ممبرا کے علاقے کوزیچنگ میں ہوئی۔

تحصیل علوم:

ابتداء سے ہی آپ انتہائے درجہ کے ذہین تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقے میں ہی حاصل کی۔ ۱۹۳۶ء میں سولہ سال کی عمر میں آپ حصول علم کے لئے ہندوستان تشریف لے آئے یہاں پر آپ نے ابتداء شاہجہان پور میں علم حاصل کیا۔ اس کے بعد آپ کو اپنی والدہ ماجدہ کی علالت کی اطلاع ملی تو آپ واپس اپنے علاقے برما میں چلے گئے مگر کچھ ہی عرصے میں جب والدہ ماجدہ کا انتقال ہوگیا۔ والدہ کے انتقال کے بعد آپ دوبارہ ہندوستان تشریف لے آئے۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ:

۱۹ شوال ۱۳۶۴ مطابق اکتوبر ۱۹۴۴ء میں آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ اور پھر ۱۳۶۴ھ ۱۳۶۵ھ کے تعلیمی سال میں آپ نے دارالعلوم دیوبند ہی سے ہی دورہ حدیث کیا۔

آپ کے اساتذہ:

(۱)۔ بخاری مکمل اور ترمذی جلد اول۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے شروع کروائی مگر پھر عذر کی وجہ سے آپ تین ماہ کے لئے دار العلوم سے باہر تشریف لے گئے تو مولانا قمر الدین مراد آبادی نے بخاری شریف کتاب العلم ختم تک اور ترمذی کتاب الصلوۃ تک پڑھائی اس کے بعد پھر حضرت حسین احمد مدنیؒ نے بخاری شریف کی دونوں جلدیں اور ترمذی شریف کی جلد اول پڑھائی۔

(۲)۔ صحیح مسلم۔ حضرت مولانا بشیر احمد صاحب گلاوٹھی سے پڑھی۔ (۳)۔ سنن ابی داؤد۔ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی سے پڑھی (۴)۔ سنن نسائی حضرت مولانا فخر الحسن صاحب سے (۵)۔ طحاوی۔ حضرت مولانا عبدالحق بانی دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے پڑھی۔ (۶)۔ ترمذی جلد ثانی حضرت مولانا اعزاز علی صاحب (۷)۔ مؤطا امام مالک۔ حضرت مولانا عبدالخالق بانی دار العلوم کبیر والہ سے پڑھی۔

بیعت وسلوک:

دار العلوم دیوبند کے زمانے میں ہی آپ کا اصلاحی تعلق مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سے ہوگیا تھا اور پھر مفتی صاحب کے مشورے سے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ شاہ عبدالغنی پھولپوری سے تعلق قائم فرمایا اور پھر جب ۱۲ اگست ۱۹۶۳ء کو حضرت مولانا عبدالغنی پھولپوری صاحب کا کراچی میں انتقال ہوگیا تو پھر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سے اصلاحی تعلق قائم کیا پھر حضرت شیخ الحدیث کے انتقال کے بعد آپ نے حضرت مولانا غلام النصیر چلاسی سے اصلاحی رشتہ قائم کیا بعد میں ان کی طرف سے خلافت سے بھی سرفراز کئے گئے۔

پاکستان کی طرف ہجرت:

پاکستان آنے میں کچھ تاخیر اس لئے ہوئی کہ مفتی اعظم محمد شفیع صاحبؒ کی جو کتابیں دیوبند میں رہ گئیں تھیں ان کو پاکستان کی طرف منتقل کرنے کی ترتیب بنانی تھی۔

اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ حضرت والد صاحب حضرت مفتی صاحب کا ذاتی کتب خانہ جو دیوبند میں رہ گیا تھا اور حضرت والا کی عمر بھر کی پونجی تھی اسے پاکستان منتقل کرنے میں مولانا (حضرت مولانا نور احمد صاحب) نے بڑی محنت کی جس کی حضرت والد صاحب کے دل میں بڑی قدر تھی۔

بالآخر آپ ۳ دسمبر ۱۹۴۸ء کو بحری جہاز ایس ایس انگلستان کلکتہ کے ذریعے بمبئی سے کراچی روانہ ہوئے۔ اور ۲ جنوری ۱۹۴۹ء کو دن کے دو بجے آپ کراچی پہنچے حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ بنفس نفیس اپنے اہل خانہ کے ساتھ آپ کے استقبال کے لئے بندرگاہ تشریف لے گئے۔

نکاح:

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیعؒ نے اپنی سب سے بڑی صاحبزادی کا عقد ۲۸ شعبان ۱۳۷۱ مطابق ۱۹۵۰ء میں آپ سے کر دیا۔ نکاح علامہ سید سلیمان ندوی نے پڑھایا۔ نکاح کے بعد علامہ سید سلیمان ندویؒ نے حضرت مفتی محمد شفیع کو مبارکباد دیتے ہوئے فرمایا "مفتی صاحب مبارک ہو آپ کو اپنی لائن کا بہترین داماد مل گیا۔"

حضرت مولانا نور احمد کی دینی خدمات:

پوری زندگی ہی دین کی خدمت میں گزری ان کا احاطہ تو بہت مشکل ہے ان

خدمات میں سے چند کا ذکر یہاں کیا جا رہا ہے۔

(۱)۔ پاکستان میں آتے ساتھ آپ نے جامع مسجد باب الاسلام (برنس روڈ) میں ایک طرف تو درس قرآن کا سلسلہ شروع فرمایا۔

(۲)۔ اور مفتی محمد شفیع صاحب کا مدرسہ جو باب الاسلام میں دارالعلوم کے نام سے قائم تھا اس میں تدریس بھی شروع کروائی اور اس مدرسہ کا سارا نظم ان کے ہی ہاتھ میں تھا۔ اور جب یہ مدرسہ نانک واڑہ میں ۱۱ شوال ۱۹۵۱ء کو منتقل ہوا تو اس مدرسہ کا بھی شروع سے آخر تک تمام نظم مولانا نور احمد کے ذمہ رہا۔

(۳)۔ دارالعلوم کورنگی کی نظامت:

اور جب یہ مدرسہ کورنگی میں منتقل ہوا اور وہاں پر مدرسہ کو چلانے کے لئے ایک مجلس منتظمہ بنائی گئی تو اس میں حضرت مفتی اعظم محمد شفیع کو صدر اور حضرت مولانا نور احمد صاحب کو سیکریٹری جنرل نامزد کیا گیا۔

آج دارالعلوم کورنگی میں جتنی بہاریں نظر آ رہی ہیں وہ سب حضرت مولانا کی ہی شروع کردہ ہیں۔ آپ تیرہ سال تک وہاں کے ناظم رہے اور پھر ۹ شعبان ۱۳۸۴ مطابق ۱۴ دسمبر ۱۹۶۴ء کو بعض اعذار کی وجہ سے استعفاء دے دیا۔

(۴)۔ خدمت افتاء:

شروع سے دارالافتاء کی بھی ذمہ داری حضرت مولانا نور احمد کے ذمہ ہی رہی دارالعلوم کراچی میں ابتدائی چند سالوں میں آپ باقاعدہ افتاء کا کام کرتے رہے یہاں تک کہ مفتی اعظم پاکستان مفتی ولی حسن ٹونکی کے تحریر کردہ فتویٰ کا بھی الجواب الصحیح اور تصحیح آپ ہی فرماتے تھے۔

(۵) عربی تعلیم کے مراکز:

عربی سکھانے کے لئے کراچی شہر میں سترہ مراکز قائم تھے۔ جس کا مقصد یہ تھا

کہ مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے والوں کو عربی زبان سکھائی جائے۔ اس کے لئے مولانا نور احمدؒ نے بڑی کوششیں فرمائی اور ان مراکز سے بہت سے لوگوں نے عربی زبان سیکھی۔

(٦)۔مجلس دعوۃ الحق کا قیام:

۱۹٦۷ء میں حضرت مولانا نور احمدؒ نے اسلام اور نظریہ پاکستان کی حفاظت اور سوشلزم کے خلاف اور دین حق کی دعوت کو عام کرنے کے لئے ایک ادارہ قائم فرمایا جس کا نام مجلس دعوۃ الحق رکھا۔ جس کے ناظم مولانا خودؒ تھے جب کہ اس کے سرپرست حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ تھے۔ اس ادارے سے متعدد رسائل چھپوائے گئے اور مفت تقسیم کئے گئے۔

(۷)۔سوشلزم کے خلاف ۱۱۳ علماء سے فتویٰ:

جب پاکستان میں سوشلزم کی تحریک زوروں پر تھی تو اس وقت میں حضرت مولانا نور احمدؒ نے عوام کو سوشلزم کے خالف متفق کرنے کے لئے ہر مختلف مکاتب فکر کے ۱۱۳ علماء سے فتویٰ لیا جس سے الحمدللہ یہ سوشلزم کا مسئلہ دب گیا۔

(۸)۔ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کی بنیاد:

اس ادارے کا مقصد یہ تھا کہ قرآن کریم اور علوم عربیہ اسلامیہ کی ان نادر و نایاب کتابوں کو بہتر اشاعت کی جائے جن میں سے اب تک متعدد نایاب کتابیں چھپ چکی ہیں اور علماء سے یہ ادارہ تحسین حاصل کر چکا ہے۔

تبلیغی جماعت کے ساتھ تعلق:

تبلیغی جماعت میں نکلنے کے لئے لوگوں کو ترغیب دینے کے ساتھ ساتھ خود بھی متعدد مرتبہ اس میں نکل کر وقت لگایا اور عالم ہونے کے وجہ سے سات چلے بھی لگائے

ہندوستان کے تبلیغی مرکز ہی میں بھی چالیس دن کا اعتکاف فرمایا اور پاکستان کے تبلیغی مرکز میں بھی چالیس دن کا اعتکاف فرمایا اور پاکستان کے تبلیغی اکابرین سے بہت زیادہ تعلق تھا۔ ان کے انتقال پر رائے ونڈ سے بھائی عبدالوہاب دامت برکاتہ نے ان الفاظ کے ساتھ تعزیتی پیغام بھیجا تھا۔

''ہمارے تبلیغی کام سے بھی ان کو بہت تعلق رہا اجتماعات میں شرکت اور دوسروں کو اس کام کی شرکت پر تشجیع وتحسین فرماتے تھے بلکہ خود بھی خوب مجاہدہ کے ساتھ سات چلے (نو ماہ دس دن) لگاتے جب کہ اس زمانے میں سات چلے لگانے والے علماء بہت کم تھے۔''

تصانیف:

آپ کی زندگی زیادہ تر عملی میدان میں کام کرتے ہوئے گزری اس لئے تصنیف کا موقعہ زیادہ نہ مل سکا اس کے باوجود چند کتابیں تصنیف فرمائی۔

(۱)۔ منتخب جامع تفسیر۔

(۲)۔ پردہ شرعی۔ جس پر علامہ سید سلیمان ندویؒ اور حضرت مفتی محمد شفیع کی تقریظ بھی ہے۔

(۳)۔ تلخیص اشرف اسوانح۔

یہ خواجہ عزیز الحسنؒ کی اشرف السوانح جو چار جلدوں میں ہے اس کی تلخیص ہے۔ اس پر بھی حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیعؒ اور مولانا شمس الحق (ڈھاکہ والا) کی تقریظ موجود ہے۔

(۴)۔ دستور قرآنی۔

اس رسالہ پر مفتی محمد حسن امرتسری۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ جیسے اکابرین کی تصدیقات موجود ہیں۔

آخری ایام:

آخری وقت تک کسی کو معلوم نہیں تھا کہ آپ چند ایام کے مہمان ہیں۔ ۶ دن پہلے اسلام آباد اور پشاور کا سفر کر کے واپس کراچی تشریف لائے تھے آخری شب جس میں انتقال ہوا۔ عشاء کی نماز ادا فرمائی۔ بارہ بجے کے قریب اپنے صاحبزادہ مولانا نعیم اشرف اور مولانا فہیم اشرف کو آواز دی کہ رات ہوگئی اب آرام کرلو۔

اس کے کچھ دیر کے بعد سینہ میں درد محسوس ہوا اور سانس زور زور سے چلنے لگا۔ اہلیہ نے جب یہ حالت دیکھی تو مولانا نعیم اشرف کو آواز دی وہ حکیم محمد یونس کو بلانے کے لئے چلے گئے۔ اس دوران حضرت مولانا کی زبان سے حسبنا اللہ ونعم الوکیل اور اللہ اکبر اللہ اکبر کی صداء بلند آرہی تھی۔

اسی دوران بیت الخلاء کی حاجت محسوس ہوئی۔ بیت الخلاء تشریف لے گئے سانس کے چلنے میں مزید زور تھا۔ اسی دوران حکیم یونس نے معائنہ کیا اور کہا کہ ان کو جلدی اسپتال لے جائیں۔ ابھی ایمبولینس پہنچی بھی نہیں تھی آخری وقت آپہنچا اہلیہ محترمہ نے زم زم پلایا تو ایک گھونٹ تو پیا لیکن دوسرا گھونٹ نہ پی سکے۔ اور پھر تقریباً بارہ بج کر ۴۵ منٹ پر اس دار المحن سے رخصت ہوگئے۔

تجہیز و تکفین:

دوسرے دن غسل کا انتظام کیا گیا غسل دینے والوں میں ان کے صاحبزادے استاد دار العلوم کورنگی مولانا رشید اشرف صاحب، حکیم محمد ذاکر الدین اور مولانا محمد اسحاق صاحبؒ استاد دار العلوم کورنگی شامل تھے۔

نماز جنازہ:

ایک بجے کے قریب جنازہ کو دار العلوم کراچیؒ (کورنگی) کی طرف لے جایا گیا۔ جس کے ساتھ گاڑیوں کی ایک لمبی قطار تھی اور جب جنازہ دار العلوم پہنچا تو وہاں

پر بھی عوام اور خواص کا غیر معمولی اجتماع تھا اتنا بڑا اجتماع بہت ہی کم جنازوں میں دیکھنے میں آتا ہے۔ جنازہ ظہر کی نماز کے بعد ادا کیا گیا اور نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت حضرت مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی شیخ الحدیث علامہ بنوری ٹاؤن کے حصہ میں آئی۔

تدفین:

تدفین دارالعلوم کراچی کے قبرستان میں ہوئی قریب میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی قبر ہے اور پہلو میں حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفیؒ خلیفہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی قبر ہے۔

پسماندگان:

اپنے پیچھے ایک اہلیہ جو کہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی صاجزادی ہیں اس کے علاوہ آپ کے پانچ صاجزادے اور پان ہی صاجزادیاں چھوڑیں۔ صاجزادے سب کے سب ماشاء اللہ عالم دین ہیں اور دین متین کی خدمت میں مشغول ہیں آپ کے صاجزادوں کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

(۱)۔ مولانا مفتی امین اشرف صاحب۔ دارالعلوم کراچی کے فاضل ہیں اور تخصص فی الفقہ بھی دارالعلوم ہی سے کیا۔

(۲)۔ مولانا شہید اشرف صاحب دارالعلوم کراچی ہی کے فاضل ہیں اور ابتداء سے وہاں ہی مدرس ہیں۔

(۳)۔ مولانا قاسم اشرف صاحب جامعہ الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے فاضل ہیں اور عالمی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد سے ایل ایل ایم کی اور پھر جامعہ الامام ریاض سے ڈاکٹریٹ بھی کیا اور اسلام آباد یونیورسٹی میں استاد ہیں۔

(۴)۔ مولانا نعیم اشرف صاحب۔ جامعہ العلوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے

فاضل ہیں اور بعض مدارس میں تدریس بھی فرمائی اور اب ادارہ القرآن دارالعلوم الاسلامیہ کی ذمہ داریاں ان پر ہیں۔

(۵)۔ مولانا فہیم اشرف صاحب یہ بھی جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن سے فارغ ہیں ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ میں اپنے بھائی مولانا نعیم اشرف کے ساتھ ہوتے ہیں۔ آپ کی صاحبزادیاں سب کی سب الحمد اللہ دین داروں کے نکاح میں ہیں ان میں سے ایک کراچی کے تبلیغی مرکز میں امام وخطیب ہیں دوسرے محمد اقبال مضطر بھی انجینئر اور تبلیغی جماعت سے منسلک ہیں۔ تیسرے حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب استاد حدیث دارالعلوم کراچی ہیں چھوتے۔ حضرت مولانا محمد انور بدخشانی دامت برکاتہم استاد حضرت علامہ بنوری ٹاؤن پانچویں۔ جناب محمد عطاء الرحمٰن دہلوی۔ یہ جامعۃ الاسلامیہ مدینہ منورہ کے فارغ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے متعلقین میں سے تھے (ان کا ایک ٹریفک کے حادثہ میں انتقال ہوگیا۔)

حضرت مولانا اویس میڑٹھی رحمۃ اللہ علیہ

(شاگرد انور شاہ کشمیریؒ)

تمام عمر رلاتی رہے گی یاد اس کی
کچھ اس طرح وہ ہمیں بے قرار کرگیا

نام: محمد ادریس میرٹھ کے رہنے والے تھے اس لئے اس کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔

ولادت باسعادت:

-

تعلیم:

بچپن سے ہی بے حد ذہین تھے ابتدائی تعلیم اپنے علاقے میں حاصل کرنے کے بعد باقی دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی اور وہاں سے ہی فراغت ہوئی اور انھوں نے علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے دور میں دورہ حدیث کیا اور دورہ حدیث میں اوّل آتے۔

السنہ شرقیہ کا پنجاب یونیورسٹی سے امتحان دیا اور اس میں بھی ریکارڈ توڑ کامیابی حاصل کی۔

تدریس:

فراغت کے بعد مدرسہ امینیہ میں کچھ عرصہ تدریس کی۔ اور دارالمصنفین سے بھی تعلق رکھا اس کے بعد دہلی میں السنہ شرقیہ کی تعلیم کے لئے ایک ادارہ کھولا جس میں مولوی فاضل، منشی فاضل، کی تیاری کروائی جاتی یہ ادارہ نے بہت جلد خوب کامیابی

حاصل کی۔

مدرسہ صدیقیہ میں بھی تدریس کی اس دور میں آپ کا ابوداؤد کا سبق بہت مشہور ہوا۔

حضرت مولانا نے ایک مرتبہ لڑکیوں کے لئے مدرسہ بنات بھی کھولا جس میں مولانا انظر شاہ کشمیری بھی ساتھ میں شریک تھے۔ یہ مولانا کے عروج کا دور تھا اس میں مولانا نے بہت شہرت پائی۔

قیام پاکستان کے بعد ہجرت کر کے پاکستان تشریف لے آتے یہاں پر بھی ابتدا ایک ادارہ کھولا جس میں مولوی فاضل، اور منشی فاضل، کے امتحان کی تیاری طلباء کو کرواتے اس سے بہت سے لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔ اس کے ساتھ ساتھ جب مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب نے ۱۹۵۷ء مطابق ۱۳۷۷ھ میں دارالعلوم نانک واڑہ میں اور پھر کورنگی دارالعلوم میں بھی تدریس فرمائی اس بات کو مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہ کے الفاظ میں پڑھیں۔

دارالعلوم کورنگی میں تدریس:

یہ وہ وقت تھا جب ۱۳۷۷ھ ۱۹۵۷ء میں دارالعلوم، نانک واڑہ کی قدیم عمارت سے حالیہ جدید عمارت میں منتقل ہوا تھا اس وقت دارالعلوم کے آس پاس نہ کورنگی کی آبادی تھی نہ اس کا کوئی تصور دارالعلوم کی زمین جنگلی جھاڑیوں اور ریتیلے کے درمیان در پختہ اور ایک زیر تعمیر عمارت پر مشتمل تھی قریب میں ایک قدیم شرگوٹھ کے سواء کوئی آبادی نہ تھی نہ بجلی تھی نہ پانی نہ ٹیلی فون اور سہرت سے رابطہ کے لئے بس بھی ایک میل کے فاصلے سے ملتی تھی اور یہ پورا فاصلہ لق دق صحراء پر مشتمل تھا مولانا (ادریس میرٹھی) کے لئے ادارہ شرقیہ کی ذمہ داریوں کو یک لخت چھوڑنا ممکن نہیں تھا اور اس کے لئے وہ دارالعلوم میں مستقل قیام بھی نہیں فرما سکتے تھے۔

چنانچہ انھوں نے دارالعلوم میں تدریس کے لئے روزانہ آمد و رفت کا سلسلہ

شروع کیا۔ شہرت روزانہ دو بسیں بدل کر لانڈھی پہنچنا اور وہاں سے ایک میل کا فاصلہ اس طرح پیدل طے کرنا کہ ساتھ کتابیں بھی ہوئیں اور چونکہ مولانا چائے اور پان کے نہ صرف عادی بلکہ بلانوش تھے اس لئے ساتھ میں چائے کا تھرماس بھی ہوتا اور پان کا سامان بھی اور پھر کئی گھنٹے جمع کر درس دینا اور جمعہ میں اسی طرح شہر واپس جانا۔ اور وہاں جا کر ادارہ اشرفیہ کی ذمہ داریاں نبھانا روز مرہ کا معمول تھا جسے دیکھ کر نوجوانوں کو پسینہ آ جاتا تھا اور یہ معمول ایک دو دن یا چند ماہ نہیں مسلسل چار سال تک جاری رہا اور اس ساری مشقت کے صلے میں مولانا نے کوئی مالی معاوضہ لینا گوارہ نہیں فرمایا۔

برادر محترم جناب مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب اور احقر کو یہ شرف حاصل ہے۔ کہ اسی زمانہ میں ہم نے دیوان حماسہ حضرت مولانا سے پڑھا مولانا بڑے لطیف ادبی مذاق کے حامل تھے اور واقعہ یہ ہے کہ ان کے دیوان مُحاسبہ کے درس کی حلاوت ۳۳ سال گزرنے کے بعد بھی قلب وذہن میں اس طرح تازہ ہے اور دیوان حماسہ کے اشعار ان کے مخصوص انداز وآہنگ اور گھن گرج کے ساتھ آج بھی کانوں میں گونجتے ہیں اور بہت سے اشعار کی تشریحات اور اس کے ذیل میں بتائے ہوئے افادات اس طرح یاد ہیں جیسے کل ہی ان سے یہ درس لیا ہو درس کی یہ تاثیر بہت کم اساتذہ کے حصے میں آتی ہے۔

کہ طالب علم کو سالہا سال گزارنے پر بھی اس کی چھوٹی چھوٹی باتیں ہی نہیں استاد کا لب ولہجہ بھی متحضر رہ جاتے۔

مولانا نے حماسہ کے درس میں الفاظ کی لغوی تحقیق اور نحوی ترکیب کے علاوہ شعر کے مختلف ممکن معانی پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالتے اور اس کے ذیل میں عربوں کی معاشرت ان کی تاریخ ان کے عادات ونفسیات اور بالخصوص جاہلی اور اسلامی عہد کے درمیان پیدا ہونے والے فرق کو ایسی وضاحت فرماتے کہ طلبہ کے سامنے عرب کی

خانہ بدوش اور قبائلی زندگی کا نقشہ کھنچ جاتا۔

جاہلیت کی شاعری میں جو قوت اور ذہنوں کی نفسیاتی کیفیت کا جو ساختہ بیان پایا جاتا ہے اس سے خود بھی لطف لیتے اور پڑھنے والے کو اس لطف میں حصہ دار بھی بناتے چنانچہ اس وقت محاسہ کے بیشتر اشعار جو مولانا سے پڑھے تھے کسی کوشش کے بغیر ازریاد ہو گئے تھے اور آج بھی جب وہ اشعار پڑھتا ہو تو مولانا کی تصویر آنکھوں میں بھر جاتی ہے۔

نیوٹاؤن میں تدریس:

حضرت مولانا ادریس صاحب نے بہت ہی مجاہدے کے ساتھ دارالعلوم کورنگی میں تدریس فرمائی۔ اور جب علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے شہر میں نیوٹاؤن مدرسہ کھولا تو حضرت مولانا یہاں تشریف لے آئے اور یہاں پر تدریس فرمائی اور پھر یہاں پہنچ کر آہستہ آہستہ ادارہ شرقیہ کو ختم کر دیا اور پھر ہمہ تن بنوری ٹاؤن کے ہو کر رہ گئے اور پھر موت تک یہاں ہی رہنے اور یہاں ابتداء سے لے کر دورہ حدیث تک کئی تمام کتب پڑھائی اور آپ کا جلالین حماسہ اور مسلم شریف کا درس بہت مقبول ہوا۔

تخصص فی الحدیث کی نگرانی:

اس تخصص میں درس نظامی کے سند یافتہ اعلیٰ نمبروں سے پاس ہونے والے فارغ التحصیل طلباء کو داخلہ دیا جاتا ہے اس درجہ میں اسماء الرجال اصول حدیث، جرح وتعدیل، اس کے علاوہ دیگر احادیث کتابوں کا بھی مطالعہ کروایا جاتا ہے اس اہم شعبہ کی نگرانی حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے حضرت مولانا ادریس میرٹھیؒ کے ہی ذمہ لگائی جن کی شب روز کی محبت سے یہ شعبہ بھی بہت مشہور ہوا۔ اور آج ملک اور بیرون ملک اس شعبے کے فضلاء تدریسی اور تدریسی اور تصنیفی کاموں میں مشغول ہیں۔

اخلاق وعادات:

آپ تقویٰ وزاہداور پابندی اوقات میں اپنی مثال آپ تھے آپ نے اپنی زندگی میں تین مشغلے رکھے تھے۔

پہلا مشغلہ نماز:

نماز سے حضرت مولانا کوعشق تھا آخری آیام تک صف اول میں امام کے پیچھے نماز کا اہتمام فرماتے اور آذان کے ساتھ ہی مسجد مین تشریف لے جاتے۔اور سب سے آخر میں مسجد سے باہر نکلتے۔ایک مرتبہ افسوس کے ساتھ فرمانے لگے۔

دوسرا مشغلہ حج اور عمرہ:

نماز کے ساتھ ساتھ آپ کو حج اور عمرہ سے بھی والہانہ ذوق تھا۔

پچیس تیس سال سے سال میں دومرتبہ حرمین شریفین جانے کا معمول تھا۔ایک مرتبہ عمرے کے لئے رمضان المبارک میں اور دوسرا حج کے لئے۔ ہر سال کا معمول تھا۔

کبھی اگر ویزے وغیرہ میں دقت ہوتی تو پھران کی بے قراری،اور بے چینی،کو دیکھنا مشکل ہوتا ہرایک سے اسی کی بات اوراس کے علاوہ کسی اور بات کرنے کی ان کی طبیعت نہیں ہوتی جب تک ویزے کے ملنے کی خوشخبری نہ سنادی جاتی۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا کواطلاع ملی کہ آپ کا عمرے کا ویزہ نہیں ہوا یہ سنتے ہی حضرت مولانا مسجد میں تشریف لے گئے اور نماز کے بعدایسے روئے جیسے کہ کوئی بچہ روتا ہے ابھی آدھا ہی گھنٹہ ہوا کہ اطلاع آ گئی کہ آپ کا بھی ویزہ ہوگیا۔

آخری سالوں میں احباب کا مشورہ یہ ہوا کہ حضرت مولانا بہت کمزور ہوگئے ہیں حج کا سفر مشکل ہوتا جارہاہے اس لئے مولانا کوروک دیا جائے مگر یہ بات سن کر مولانا بے حد بے چین ہوگئے اور حج پر تشریف لے گئے۔بقول شاعر:

اس لئے آرزو ہے جینے کی
دیکھ لوں پھر زمین مدینے کی

تیسرا مشغلہ حدیث:

مولانا کو درس حدیث سے ایک خاص شغف تھا۔ آخری وقت میں جب کہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم مفتی احمد الرحمٰنؒ تھے ان کو ایک مرتبہ بیت اللہ کے سامنے بلا کر یہ فرمانے لگے کہ آج کعبہ اللہ کے سامنے مجھ سے وعدہ کرو کہ جب تک میں زندہ ہوں مسلم حدیث کا سبق پڑھتا رہونگا کسی اور استاد کو تم میری زندگی میں نہیں دو گے۔

عموماً فرماتے کہ مجھ کو زندہ رہنے کا کوئی شوق نہیں، میں تو ان تین چیزوں کے لئے زندہ ہوں (۱) نماز (۲) حرمین شریفین کی زیارت (۳) درس حدیث۔

وفاق المدارس کی صدارت:

بعض علماء کے دل میں یہ تڑپ پیدا ہوئی کہ مدارس میں تعلیم کا نظم وضبط معیاری ہونا چاہیے کہ یہ اسلام کے قلعہ ہیں اور مدارس کے درمیان میں جو تفاوت پایا جاتا ہے اس کو ہٹایا جائے اور تمام مدارس کو آپس میں مربوط کر دیا جائے تو اور تمام مدارس کو آپس میں مربوط کرنے کے لئے وفاق المدارس کا وجود عمل میں آیا۔ اس کے سب سے پہلے صدر حضرت مولانا مفتی صفدر صاحب ہوتے مگر اس کی آب رسانی اور اس کو مستحکم حضرت مولانا ادریس میرٹھیؒ نے ہی کیا اس کا سب کو ہی اعتراف ہے اور پھر حضرت مولانا مفتی صفدر صاحب کے انتقال کے صدر تک نے بالاتفاق حضرت مولانا کو ہی وفاق المدارس کی صدارت کے عہدے کو سنبھالنے کی درخواست کی جس کو انھوں نے نہ صرف سنبھالا بلکہ کہ اس کو چار چاند لگائے اور تاحیات اس کے صدر رہے۔

کام میں فنائیت:

حضرت مولانا کی ڈائری میں رخصت کا لفظ نہیں تھا ہر کام میں عمر مت ہی عمر مت تھی، مشکل سے مشکل چیز کو بھی وہ مشکل نہیں جانتے تھے ان کی ہمت کے سامنے سب کو شکست ہو جاتی تھی۔ جس کام کو بھی وہ کرنے کا ارادہ فرماتے جب تک وہ کام پورا نہ ہو جاتا اس میں ہی لگے رہتے کسی اور طرف متوجہ نہ ہوتے تھے۔ اس دوران نہ راحت کا خیال ہوتا اور نہ ہی آرام کا۔ جس کو اردو محاورے میں لوگ جن کہا جاتا ہے کہ تھکنے کا نام ہی نہیں کام میں مگن کام کر کے ہی دوسری طرف متوجہ ہوتے۔ اسی وجہ سے حضرت مولانا کے سبق میں اگر کوئی طالب علم رخصت ہوتا تو اس کی بھی وہ غیر حاضری ہی لگاتے اور فرماتے کہ طالب علم رخصت پر نہیں ہوتا۔

اگر وہ طالب علم ہوگا تو ہر حال میں طلب علم میں ہی لگا رہنا چاہیے خواہ وہ بیمار ہو یا کسی اور عذر میں مبتلا ہو۔

حضرت علامہ مولانا محمد یوسف بنوریؒ سے عقیدتؒ

حضرت مولانا ادریس صاحب میرٹھیؒ کو مولانا محمد یوسف بنوری صاحبؒ سے انتہا درجہ کا تعلق اور عقیدت تھی فرماتے کہ مجھ کو مولانا کے اندر اپنے استاد و شیخ امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ کا عکس نظر آتا ہے اس بات کا اظہار انھوں نے اپنے اس مضمون میں بھی کیا ہے جو انھوں نے حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کی وفات پر بینات کے اشاعت خاص کے لئے تحریر فرمایا تھا مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن سے وابستگی کے ابتدائی سال میں ایک دن اپنی نشست گاہ میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تنہا تشریف فرما تھے میں کسی سلسلہ میں حاضر تھا، سلسلہ، گفتگو تو مجھے یاد نہیں، بہر حال میں نے عرض کیا حضرت میری آپ سے وابستگی کا راز صرف یہ ہے کہ میں آپ کے آئینہ میں اس محبوب ہستی کا عکس دیکھتا ہوں جس سے مجھے انتہائی محبت ہے،

حضرت مولانا یہ سن کر خاموش ہو گئے اور حقیقت ہے کہ میں آپ کی بیشتر مجلسوں میں صرف شیخ نوراللہ مرقدہ کی باتیں آپ کی زبان سے سننے کے لئے بیٹھتا تھا، کیونکہ آپ حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کی باتوں کا ٹیپ ریکارڈ تھے، بالکل اسی انداز اور اسی لب ولہجہ میں بعینہ وہی الفاظ نقل فرماتے تھے جو شیخ کی زبان مبارک سے نکلے ہوتے، بالکل ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ ہی بول رہے ہیں اور جب تک حضرت مولانا شیخ نوراللہ مرقدہ کی باتیں نقل کرتے رہتے، انتہائی محویت اور کیف وسرور کے عالم میں سنتا رہتا اور جب آپ کسی دوسرے موضوع پر گفتگو کرتے تو تکدر کے ساتھ بیٹھا رہتا یا اٹھ کر چلا آتا، اور جب حضرت مولانا مکان سے آہستہ آہستہ تشریف لاتے اور میں دور سے آپ کو دیکھتا تو بالکل ایسا محسوس ہوتا جیسے حضرت شاہ صاحب خراماں خراماں تشریف لا رہے ہیں۔

اسی تعلق کی بنیاد پر جب مولانا عبدالرشید صاحب نعمانیؒ نے جامعہ عباسیہ بہاولپور میں تقرر کے بعد ماہانہ رسالہ بینات کی ادارت سے استعفیٰ دیا اور آئندہ رسالہ پر اپنا نام نہ لکھنے پر اصرار کیا تو سوال پیدا ہوا کہ اب ''مدیر مسئول'' کس کو بنائیں، کیوں کہ مدیر مسئول کے بدلنے سے رسالہ کا ڈیکلریشن بھی بدلوانا پڑتا ہے اور آئے دن ڈیکلریشن نہیں بدلوایا جا سکتا، تو میں نے عرض کیا کہ اگر آپ کسی ایسے شخص کو مدیر مسئول بنانا چاہتے ہیں جس کا فیصلہ یہ ہو کہ میں مدرسہ سے قبرستان ہی جاؤں گا تو میرا نام دیدیجئے۔ چنانچہ جب سے رسالہ کا مدیر مسئول میں ہوں، باوجودیکہ ادارت کا تمام کام مولانا یوسف صاحب کرتے ہیں۔ یہ فیصلہ اور عزم صرف حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی دائمی رفاقت کی بنیاد پر ہی تھا جس کا باعث وہی اشتیاق دیدار محبوب اور استماع کلام محبوب تھا مگر افسوس کہ وفات کے مرحلہ پر پہنچ کر میں اس رفاقت کے عزم کو نہ نبھا سکا، وہ چلے گئے اور میں رہ گیا، مگر روزانہ قبر مبارک پر حاضری دیتا ہوں السلام علیک یا اھل القبور انتم سلفنا کے بعد وانا انشاء اللہ بکم لا

حقون اسی امید پر کہتا ہوں کہ اللہ کے فضل وکرم سے آخرت میں پھر یہ رفاقت نصیب ہو۔ باقی یہ عہد بدستور ہے کہ زندگی بھر حضرت مولانا بنوری رحمتہ اللہ علیہ کی یادگار مدرسہ عربیہ اسلامیہ کو سینے سے لگائے رہوں گا اور مدرسہ کے علاوہ کسی بھی دوسری جگہ کام نہ کروں گا اگرچہ وہاں دنیاوی منافع کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔

اپنا یہی عہد میں نے تیسرے سال مولانا مفتی عتیق الرحمان صاحب بانی ندوۃ المصنفین دہلی کے سامنے دہرایا تھا جب کہ حضرت مولانا آخری عشرہ رمضان میں مسجد نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام میں معتکف تھے اور مفتی عتیق الرحمان صاحب ان سے ملاقات کے لئے تشریف لائے تھے اور اطلاع ملنے پر میں بھی حاضر ہوا تھا اور مفتی صاحب نے نہ معلوم کیوں مجھ سے مولانا کے سامنے دریافت کیا "آپ مولانا کے مدرسہ میں مطمئن ہیں؟" تو میں نے عرض کیا۔ "نہ صرف مطمئن بلکہ میں نے حضرت مولانا سے عرض کیا ہے کہ میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ سے بس قبرستان ہی جاؤں گا۔" میرا جواب موصوف نے کچھ عجیب حیرانی سے سنا، اس کے بعد میں اپنی جگہ پر جا بیٹھا۔"

دین کا درد:

صدر پاکستان جنرل محمد ایوب خان کے عہد میں ادارہ تحقیقات اسلامیہ اس کے ڈائریکٹر ڈاکٹر فضل الرحمٰن ملحد جس کی تجدد پسندانہ تحقیقات سامنے آئیں۔

تو جہاں پر اور علماء نے اس کا مقابلہ کیا تو حضرت مولانا ادریس میرٹھیؒ نے بھی اس کے خلاف کھل کر اپنے رسالہ بینات میں بڑے علمی مقالے تحریر فرمائے۔

تصنیفات:

پوری زندگی مصروف ہونے کے باوجود حضرت مولانا نے اپنے پیچھے چند تصانیف بھی چھوڑی۔

(۱)۔ حصن حصین کا ترجمہ: علامہ ابن جزوی کی مشہور کتابیں جس میں انھوں نے شب روز کی دعائیں مستند حوالوں سے لکھی ہیں اور بہت ہی مفید کتاب ہے اس کا اردو میں ترجمہ فرمایا تا کہ عوام الناس بھی اس کتاب سے مستفید ہوسکیں۔

(۲) دلیل الفالحین شرح ریاض الصالحین یہ علامہ نووی شارح مسلم مشہور کتاب ہے جس میں انھوں نے اصلاحی حدیثوں کو جمع فرمایا ہے جس وقت سے لکھی گئی اس وقت سے ہی مشہور ہے اس کی عربی میں تو کئی شروحات ہیں مگر اردو میں نہیں حضرت مولانا نے اس کی اردو میں ترجمہ وشرح لکھنا شروع کی تھی دلیل الفالحین کے نام سے مگر چند ہی ابواب ہی ہو سکے تھے تکمیل تک کتاب نہیں پہنچی کاش کے مکمل ہو جاتی۔ بہت ہی مفید شرح ہوتی۔

(۳) سنت کا تشریعی مقام:

اسلام میں سنت وحدیث کا مقام۔ السنۃ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی مصنف ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی) اس کتاب کا ترجمہ فرمایا اس میں حدیث کی تشریعی حیثیت کے بارے میں سینکڑوں افراد کے دلوں سے شبہات کے جو کانٹے چب رہے تھے ان کو نکالا۔ نیز اس کے علاوہ متعدد علمی دقیق مقالے ہیں جو بینات رسالے میں لکھے گئے تھے۔

آخری ایام:

حضرت مولانا سالہا سال سے ذیابیطس کے مریض تھے مگر یہ مرض حضرت مولانا کے کام کاج میں کسی طرح سے فرق ڈالنے والا نہیں تھا بلکہ بہت سے لوگوں کو معلوم بھی نہیں تھا کہ مولانا ذیابیطس کے مریض بھی ہیں۔

آخری ایام تک باوجود ضعف اور کمزوری کے تمام کام انجام دیتے رہے۔

۲۵ جمادی الاخری کی صبح طبیعت کچھ زیادہ ناساز تھی فجر کی نماز مسجد میں آ کر نہیں

پڑھ سکے۔ گھر ہی میں پڑھی، ڈاکٹر کو بلایا گیا تو ڈاکٹر نے آرام کے کرنے کا مشورہ دیا ۔ڈاکٹر کے جانے کے بعد حضرت مولانا اپنے معمول کے مطابق سبق پڑھانے کے لئے سوا نو بجے تشریف لے آئے اور فرمانے لگے کہ ڈاکٹر نے تو منع کیا تھا بولنے سے ،،مگر میرا جی چاہا کہ سبق تو پڑھالوں اس کا ناغہ نہ ہو۔ اس دن جلالین کا سبق سورۃ المطففین کی آیت۔ ان الابرار لفی نعیم سے شروع ہوا اور سورت کے آخر تک پڑھایا یہ حضرت مولانا کا زندگی کا آخری سبق تھا۔ ان آیات میں جنت والوں کے مناظر کو بیان کیا گیا ہے۔

ان آیات کے بیان کردہ مضمون ہی انسان کی آخری تختی اور آخری منزل ہے جس کے حصول کے لئے مومن آدمی عمر بھر تگ ودو کرتا ہے۔

پھر گیارہ بجے کے قریب غنودگی کی سی کیفیت طاری ہوئی احباب نے یہ سمجھا کہ آپ آرام کرنا چاہتے ہیں کیونکہ رات کو نیند نہیں آتی تھی اسی دوران ڈاکٹر بھی آگئے اس نے دیکھتے ساتھ بتایا کہ حضرت کا یہ تو آخری وقت ہے تقریباً پونے بارہ بجے آپ اس دار فانی سے رخصت ہوگئے۔

عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

تجہیز و تکفین:۔

تجہیز و تکفین علماء اور طلباء نے کی اور پھر لوگوں کی زیارت کے لئے دار الحدیث میں جہاں پر ایک عرصہ دراز سے آپ درس حدیث دیتے تھے آپ کے جسد مبارک کو رکھ دیا گیا۔ آپ کا منور چہرہ اس دن نہایت چمک رہا تھا۔ دیکھنے والے کی تمنا تھی کہ میں دیکھتا ہی رہوں۔

نماز جنازہ:۔

مغرب کی نماز کے بعد جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں اس وقت کے

مہتمم اور حضرت علامہ محمد یوسف بنوری صاحبؒ کے داماد اور جانشین حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ نے پڑھائی جنازے میں ہزاروں کا مجمع تھا جو اشکبار ہو رہا تھا۔

چھپ گیا آفتاب شام ہوئی
اک مسافر کی راہ تمام ہوئی

تدفین:

آپ کی تدفین دار العلوم کورنگی کے احاطہ میں واقع قبرستان جس میں متعدد علماء ومشائخ مدفون ہیں اس قبرستان میں ہوئی۔

حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ

(جانشین علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ ومہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن)

هيهات لاياتي الزمان بمثله ان الزمان بمثله بخيل

آہ زمانہ اس کی مثال نہیں لاسکتا کیونکہ زمانہ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے

نام:

احمد الرحمٰن۔ والد کا نام: مولانا عبد الرحمٰن کیمل پوری۔

آپ کے والد ماجد مولانا عبد الرحمٰن کیمل پوری تھےجو اپنے وقت کے عظیم محدث اور عظیم عالم دین تھے۔ اور حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کے اجل خلفائمیں سے تھے۔ حضرت تھانویؒ کے خلفاء میں سے صرف ان کو ہی یہ خصوصیت حاصل تھی کہ ان کو بیعت ہونے سے پہلے ہی حضرت تھانویؒ نے خلافت عطا فرمائی۔ اور پھر بعد میں یہ بیعت ہوئے۔ انہیں مولانا عبد الرحمٰن کامل پوری کے بارے میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں۔

''مولانا مرحوم علوم اسلامیہ دینیہ اور نقلی وعقلی فنون کے جامع ترین عالمتھے اصناف، علم وفضل وکمال ان کی شخصیت میں مجتمع تھیں وہ عالم وعارف تھے صوفی ومحقق اور فقیہ ومحدث تھے علم اصول وکلام کے ایک ماہر اصولی اور فاضل متکلم تھے غرض علمی دنیا کے آفتاب وماہتاب تھے۔ کوہ وقار وتمکنت، پیکر علم وذہانت مجسم خمول وتواضع اور صلاح وتقویٰ میں یگانہ روزگار تھے فطری ملکات میں ان کو ایک امتیاز حاصل تھا۔ ریاضت ومجاہدہ کے بغیر طبعی طور پر مرتاض تھے اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو دینی اور فطری اخلاق وملکات کے وہ مقامات عالیہ عطا فرمائے تھے کہ ریاضت ومجاہدات کے بعد بھی ان کا حاصل ہونا نا قابل فخر اور وجہ شرف ہے اس علم وفضل اور شرف وکمال کے ساتھ انکسار وتواضع، خاموشی اور کم گوئی ان کی ایک فطری کرامت تھی۔ ان معنوی فضائل و

محاسن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ظاہری حسن و جمال سے بھی بہرہ مند فرمایا تھا اپنی قامت رعنا نازک اور تراشیدہ نقوش رخ منور اور لطافت ونظامت کے ساتھ وہ جمال وکمال کا ایک پیکر نوری محسوس ہوتے تھے۔

راقم الحروف (مولانا محمد یوسف بنوری) کو دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار میں ان کی صحبت و رفاقت کا شرف حاصل رہا۔ اور مرحوم کو قریب سے دیکھنے کا موقع نصیب ہوا۔ لیکن ان کے فطری کمالات و فضائل کی وجہ سے ان کے ساتھ میری گرویدگی میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔

(ماہنامہ بینات رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ مطابق جنوری ۱۹۶۶ء)

ولادت باسعادت:

مفتی احمد الرحمٰن کی ولادت ۶ رجب ۱۳۵۸ھ بمطابق ۲۲ اگست ۱۹۳۹ء کو تہجد کے وقت ہوئی۔ اس وقت والد صاحب تہجد میں مشغول تھے۔ سلام کے بعد جب صاحبزادے کی خوش خبری دی گئی۔ تو فرمایا کہ رحمٰن کی عطائیت ہے اور نام احمد الرحمٰن رکھا۔

تحصیل علوم:

ابتدائی تعلیم والد صاحب کے پاس سہارن پور میں حاصل کی۔ مگر جب پاکستان بنا پاکستان کے مختلف مدارس میں علماء حق کی خدمت میں رہ کر تحصیل علوم کرتے رہے مگر پھر آخر میں جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن سے فراغت حاصل کی۔ اور پھر اپنے وقت کے مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کی خدمت میں رہ کر افتاء کی تربیت حاصل کی۔

تدریس:

فراغت کے بعد سے ہی جامعہ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں ہی تدریس

فرمائی۔ ابتدائی کتابوں سے لے کر بخاری شریف تک کی کتابیں بنوری ٹاؤن میں پڑھائیں۔

آپ کی تدریس کا انداز بہت دلچسپ تھا، کبھی لطائف سناتے، اور کبھی آخرت کے خوف سے رلاتے، اور کبھی جنت کے شوق میں ہنستاتے طلباء کی اصلاح کی بہت ہی فکر فرماتے رہتے ان کی صفات کی وجہ سے ہر درجہ والوں کو اس بات کی تمنا ہوتی کہ، کاش کہ مفتی صاحب کے پاس ہمارا کوئی گھنٹہ ہو جائے۔

شادی:

مفتی صاحب کی شخصیت میں بہت سے کمالات جمع تھے۔ حضرت علامہ مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے اپنی بصیرت سے پہچان لیا کہ اس کی پرواز بہت اونچی ہونے والی ہے اس لئے انھوں نے ایک طرف تو ان کو اپنے مدرسہ میں فراغت کے بعد مدرس مقرر کر لیا اور دوسری طرف انھوں نے اپنی صاحبزادی دے کر اپنا داماد بھی بنا لیا۔

فدا ہوں آپ کی کس کس ادا پر
ادائیں ہیں لاکھوں اور بے تاب دل ایک

کارنامے:

اس بارے میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں۔

"حضرت بنوریؒ قدس سرہ کے علمی و عملی مقام بلند کی وجہ سے ان کے قائم کردہ مدرسے کو اپنی تعلیمی معیار اور وقار کے لحاظ سے دینی مدارس میں ایک امتیاز حاصل تھا۔ اور حضرت رحمہ اللہ کی وفات کے بعد اس اعلیٰ معیار کو برقرار رکھنا آسان نہ تھا لیکن مفتی احمد الرحمٰن صاحب نے اپنی متواتر جدوجہد اور انتھک محنت سے مدرسے کو اسی معیار پر قائم رکھنے کی پوری کوشش فرمائی۔ اور جامع مسجد بنوری ٹاؤن کے علاوہ شہر کے متعدد دوسرے مقامات میں بھی مدرسے کی شاخیں قائم فرمائیں۔ جو خود مستقل مدارس

کی حیثیت رکھتی ہیں۔

وہ شاخیں جو حضرت مفتی صاحب نے قائم فرمائی وہ یہ ہیں۔

(۱) سہراب گوٹھ یعنی گلشن عمر میں مدرسہ تعلیم الاسلام جہاں پر حفظ و ناظرہ کے ساتھ درجہ سادسہ تک کی پڑھائی ہوتی ہے۔

(۲) ملیر میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے نام سے شاخ قائم فرمائی چار ایکڑ اراضی پر اور مزید دس ایکڑ اور زمین بھی لے کر اس میں ایک وسیع مسجد اور شاندار مدرسہ کا قیام فرمایا وہاں پر بھی ایک ہزار سے زائد طلباء تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

(۳) اسی طرح ایک شاخ بلال کالونی کورنگی میں بھی کھولی۔ اور ایک بڑی مقدار طلباء کی وہاں پر بھی حصول علم میں مشغول ہے۔

(۴) اسی طرح ایک شاخ پاپوش نگر میں بھی معارف العلوم کے نام سے کھولی۔

(۵) سندھ کے پسماندہ علاقہ ٹھٹھہ میں بھی ایک شاخ کھولی وہاں کے لوگوں کے دین سے دوری کے حالات کو دیکھتے ہوئے۔

(۶) اسی طرح ماریشس (افریقہ) میں بھی ایک شاخ قائم فرمائی۔ وہاں پر بھی حضرت مفتی احمد الرحمٰن رحمہ اللہ کو جانے کا باقاعدہ اہتمام تھا۔"

مسلمانوں کے اجتماعی امور میں دلچسپی:

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

حضرت مفتی صاحبؒ مدرسہ کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے اجتماعی امور میں بھی گہری دلچسپی لیتے تھے۔ اور جو دینی تحریک بھی دین کی سربلندی کے لئے اٹھتی اس سے تعاون فرماتے تھے۔

تحریک ختم نبوت:

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے آپ حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے زمانے میں بھی ساتھ رہے اور ان کے انتقال کے بعد جب شیخ المشائخ مولانا خواجہ خان محمد خانقاہ سراجیہ کندیاں والے امیر بنے۔ تو انھوں نے بھی حضرت مفتی صاحب کو اپنا نائب بنا کر رکھا مفتی صاحب وفات تک تحریک ختم نبوت کے نائب امیر رہے۔ اس لئے انھوں نے ملک کے اندر اور باہر کئی اسفار فرمائے اور اس تحریک میں نا قابل فراموش خدمات انجام دیں۔

وفاق المدارس العربیہ:

اسی طرح آپ وفاق المدارس العربیہ کے نائب صدر بنے اور پھر بعد میں آپ کو ناظم اعلیٰ بنا دیا گیا۔ اس سلسلہ میں بھی آپ نے بہت محنت فرمائی اور وفاق نے اس دور میں بہت اہم اہم فیصلے کئے۔

سوادِ اعظم اہل سنت:

روافض کے خلاف ایک تحریک شروع ہوئی، اس کے بھی حضرت مفتی صاحبؒ نائب صدر تھے اس سلسلہ میں آپ پر حالات بھی آئے یہاں تک کہ آپ کو جیل میں بھی جانا پڑا۔ مگر ان سب حالات کے باوجود آپ اپنے موقف پر جمے رہے۔

عورت کی سربراہی:

مفتی صاحب کے دور میں جب عورت کی سربراہی کا مسئلہ ہوا۔ تو حضرت مفتی احمد الرحمٰنؒ بہت فکر مند ہوئے اور متحدہ علماء کونسل کی تشکیل دی اور راولپنڈی تشریف لے گئے اور اس سلسلہ میں بھی بڑی مشقت اٹھائی۔

شریعت بل:

شریعت بل جب اسمبلی میں پیش کیا گیا۔اس کی منظوری کے سلسلہ میں آپ نے اٹھارہ ہزار لوگوں سے دستخط بھی کروائے اور یہ یاد داشت حکومت کو بھجوائی اور نکات شریعت کے لئے آپ نے متحدہ شریعت محاذ بھی بنایا۔

انجمن سپاہ صحابہؓ:

آپ مولانا حق نواز جھنگوی شہیدؒ کی قائم کردہ اس انجمن کی بھی پوری سرپرستی فرماتے تھے،اور مولانا جھنگویؒ کے ساتھ ہر قسم کا تعاون فرماتے رہے۔

حرکۃ المجاہدین:

افغانستان کے جہاد کے سلسلہ میں بھی آپ بہت متحرک تھے اور ہر نوع کا تعاون فرماتے اور دوسرے لوگوں کو بھی اس سلسلہ میں ترغیب دیتے۔

تبلیغی جماعت:

حضرت مفتی احمد الرحمٰنؒ تبلیغی جماعت کے ساتھ بھی تعلق رکھتے اور علماء اور طلباء اور عوام کو اس میں وقت لگانے کے لئے ترغیب دیتے۔اور فرماتے کہ جماعت حقہ اس وقت میں تبلیغی جماعت ہے۔ایک موقعہ پر کسی نے تبلیغی جماعت پر کچھ اعتراضات کئے اس کے جواب میں مفتی صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ اگر ایمان پر خاتمہ چاہتے ہوں تو تبلیغ والوں پر اعتراض کرنا چھوڑ دو۔

فقراء ومساکین کی امداد:

حضرت مفتی صاحب کسی کو تکلیف میں دیکھ نہیں سکتے تھے اس کی ضرور مدد فرماتے۔اس طرح چھپ کر امداد فرماتے کہ کسی کو معلوم بھی نہ ہوتا۔آپ کے انتقال کے بعد بات کھلی کہ کتنے ہی لوگ ایسے تھے جن کی مفتی صاحب مستقل سرپرستی فرماتے تھے۔

اللہ پر توکل:

اللہ پر بھروسہ حد درجہ کا تھا۔مدرسہ کا خرچہ کئی لاکھ مگر آپ اس سلسلہ میں بالکل نہیں گھبراتے۔اور فرماتے کہ سب ہوجائے گا۔ایک مرتبہ ملیر کے مدرسہ کے لئے دس ایکڑ اراضی کا سودا فرمایا۔اور اس کی قیمت ایک کروڑ سے زائد تھی اور پاس کچھ بھی نہیں تھا اس کے باوجود اس کا سودا فرمالیا۔اس کے لئے لمبی لمبی دعائیں مانگتے تھے۔کہ دیکھنے والے کو رشک آجاتا تھا اور دعا کے اندر ایسی عاجزی اور تواضع ہوتی کہ اس کا تعلق دیکھنے سے تھا اور پھر اللہ نے اس کی قیمت ادا کروادی۔

تواضع اور انکساری:

آپ ان تمام کمالات سے متصف ہونے کے باوجود انتہائی متواضع اور سادہ لوح شخص تھے۔کسی بات پر اصرار نہ فرماتے آپ نہایت نرم خو اور سہل مزاج کے حامل تھے۔

بیعت وسلوک:

حضرت مولانا فقیر محمد پشاوری (خلیفہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ) نے جب سے خلافت واجازت عطا فرمائی۔ جب سے مفتی صاحبؒ نے اصلاح وارشاد کا بھی سلسلہ شروع فرمایا۔اور ہر سوموار کو عصر کی نماز کے بعد مدرسہ بنوری ٹاؤن کے مہمان خانے میں مجلس شروع فرمادی جس سے علماء اور طلباء کے علاوہ دوسرے احباب نے بھی فائدہ اٹھایا۔

آخری ایام:

آخری دن تک کسی کو بھی اس بات کا اندیشہ نہیں تھا۔ کہ یہ چند گھنٹوں کے مہمان ہیں، انتقال سے ایک دن پہلے یعنی ۱۳ رجب ۱۴۱۱ھ بروز بدھ کو وفاق المدارس کے سلسلہ میں دارالعلوم کورنگی تشریف لے گئے اور وہاں پر کافی دیر تک گفتگو ہوتی رہی اور پھر دارالعلوم سے واپسی پر اپنے معمول کے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ پھر دوسرے دن یعنی ۱۴ رجب ۱۴۱۱ھ بروز جمعرات جامعہ بنوریہ سائٹ کے مہتمم مفتی محمد نعیم صاحب دامت برکاتہم نے ختم مشکوۃ کی دعوت دی ہوئی تھی۔ آپ اس میں بھی تشریف لے گئے۔ اور ختم مشکوۃ کروایا اور طلباء کو دیر تک نصیحت فرماتے رہے مگر اس دن دعا میں حسن خاتمہ کی دعا بہت زیادہ اہتمام سے مانگی اور یہ مبارک تقریب تقریباً نو بجے ختم ہو گئی، تو حضرت مفتی صاحب اپنے مکان واقع احاطہ بنوری ٹاؤن میں تشریف لے گئے کسی کے وہم اور تصور میں بھی یہ نہیں تھا کہ مفتی صاحب چند گھنٹوں کے مہمان ہیں۔

رات کو تقریباً بارہ بجے کے قریب سینے میں جب کچھ درد محسوس کیا، اور ساتھ میں کھانسی بھی شروع ہو گئی، جو بڑھتی ہی چلی گئی جب زیادہ تکلیف ہوئی، تو تین بجے کے قریب آپ کو ہسپتال لے جایا گیا، مگر وقت موعود آ چکا تھا اس لئے کوئی علاج موثر ثابت نہیں ہوا، اور دیکھتے ہی دیکھتے آپ اس فانی دنیا سے کوچ فرما گئے۔

نماز جنازہ:

جیسے ہی انتقال ہوا لوگوں میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ اور پھر جنازے میں شرکت کے لئے ہر طرف سے لوگوں کی آمد شروع ہوئی اور کئی ہزار کا مجمع جامعہ العلوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں جمع ہو گیا۔ کہ ہر جگہ سر ہی سر نظر آ رہے تھے۔ کراچی شہر کے علاوہ دوسرے شہر کے لوگ بھی جنازے میں شرکت کے لئے

پہنچے۔ جنازے کی نماز پڑھانے کی سعادت آپ کے بڑے بھائی حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰن کو حاصل ہوئی۔

تدفین:

آپ کی تدفین حضرت مولانا علامہ محدث العصر محمد یوسف بنوریؒ کے پہلو میں ہوئی یہ جگہ جامعہ العلوم الاسلامیہ کی مسجد کے متصل ہے۔

حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمتہ اللہ علیہ

(سابق مفتی اعظم پاکستان)

چنا ہے پھول عزرائیل نے گلستان سے
کہ جس سے ہوگیا سارا چمن ہی دشت ویرانہ

نام: ولی حسن : والد کا نام: مولانا مفتی انوار الحسن خاں اور دادا کا نام مفتی محمد حسن خان تھا۔ والد، دادا، پردادا سب ہی مفتی اور عدالت شرعیہ ٹونک کے قاضی تھے۔

تحصیل علوم:

ابتدائی کتابیں آپ نے اپنے والد ماجد مفتی انوار الحسن سے پڑھیں۔ اس کے بعد والد کے چچا شیخ الحدیث ندوۃ العلماء علامہ وحید نے آپ کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری قبول کی، اور اپنے پاس چار سال ندوۃ العلماء میں رکھا اس کے بعد پھر آپ عالم اسلام کی عظیم یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور اس زمانے کے یگانہ روزگار اساتذہ سے خوب استفادہ کیا، خاص کر شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ صاحب وغیرہ

اور پھر آپ نے مولوی عالم، اور مولوی فاضل، کا بھی امتحان دیا اور اس میں کامیابی حاصل کی۔

درس وتدریس:

تقسیم ہند کے بعد آپ فوراً پاکستان تشریف لے آئے اور یہاں پر میٹرو پولیٹن ہائی اسکول میں اسلامیات کے استاد بنے مگر پھر کسی عذر کی وجہ سے اس کو چھوڑنا

پڑا، اس کے بعد مدرسہ امداد العلوم برنس روڈ میں مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب کے قائم کردہ مدرسہ میں تدریس کے ساتھ ساتھ وہاں افتاء کا بھی کام کیا۔

اور جب مفتی محمد شفیع صاحبؒ نانک واڑہ تشریف لے گئے تو مفتی ولی حسن صاحبؒ کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ وہاں پر بھی آپ نے اپنے علمی جواہر دکھائے۔

جامعہ علوم اسلام بنوری ٹاؤن:

جب مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنے مدرسہ نانک واڑہ کو جب کورنگی میں منتقل فرمایا تو کچھ مسائل کی وجہ سے آپ وہاں نہیں جا سکے اسی دوران محدث العصر علامہ محمد یوسف بنوریؒ صاحب نے گرومندر کے قریب نیوٹاؤن مسجد کے متصل ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ تو حضرت مفتی صاحب اس مدرسہ کے ساتھ منسلک ہوگئے۔ اور پھر تاحیات یہیں کے ہوکر رہ گئے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کے علم میں جامعیت:

اللہ جل شانہ، نے حضرت مفتی صاحب کو ہر فن میں کمال عطا فرمایا تھا۔ کسی ایک فن کے بارے میں یہ کہنا کہ اس میں کمال تھا یہ حضرت مفتی صاحبؒ کے ساتھ زیادتی ہوگی۔ غرض یہ کہ آپ فقہ کا درس دینے کے لئے بیٹھتے تو فقہ کی ایسی جزئیات بیان فرماتے جس سے آدمی حیران رہ جاتا اسی طرح اصول فقہ کا حال تھا اور یہی حال منطق، ادب، حدیث، وغیرہ سب کا ہی تھا۔

مگر حضرت مفتی صاحبؒ کو دو علموں سے بہت زیادہ لگاؤ تھا (۱) علم فقہ (۲) علم حدیث۔

علم فقہ:

اسی وجہ سے محدث العصر علامہ محمد یوسف بنوریؒ فرماتے تھے کہ مفتی صاحب آپ کی فقہ اور فہم کے آثار آپ کی پیشانی سے ظاہر ہوتے ہیں۔

ایک دوسرے موقعہ پر حضرت بنوریؒ نے ایک مفتی صاحب کے بارے میں فرمایا کہ وہ تو پاؤ بھر کا مفتی ہے اگر مسئلہ معلوم کرنا ہے تو مفتی ولی حسن ٹونکی سے معلوم کرو کیونکہ وہ سیر بھر کے مفتی ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت محدث العصر علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے تخصص فی الفقہ کا اجراء کیا کہ درس نظامی کے فضلاء کو فقہ میں مہارت پیدا کروائی جائے تاکہ وہ معاشرے کے مسائل کو حل کرسکیں اس کے لئے بھی علامہ بنوریؒ نے حضرت مفتی صاحب کا ہی انتخاب فرمایا۔

نیز ایک موقعہ پر حضرت بنوریؒ نے فرمایا کہ مفتی ولی حسن تو فقیہ العصر ہیں۔

مفتی اعظم پاکستان کا لقب:

مفتیان کرام فرماتے ہیں کہ حضرت مفتی صاحب میں اجتہادی شان تھی۔ اور ایک وقت ایسا آیا کہ عوام اور خواص سب نے بالاتفاق آپ کو مفتی اعظم پاکستان کا لقب دیا۔

علم حدیث:

آپ نے حدیث کی مشہور کتاب ترمذی شریف کا کئی سالوں تک درس دیا۔ اور علامہ محمد یوسف بنوریؒ کے انتقال کے بعد سے بخاری شریف کا درس بھی آپ کے پاس آ گیا آپ نے ان کتابوں کا درس بیماری کے ایام میں بھی بہت اہتمام کے ساتھ دیا۔

درس کا انداز:

آپ کا درس اس انداز کا ہوتا کہ اعلیٰ، متوسط اور ادنیٰ ہر قسم کی ذہنی استعداد کے طلباء سب ہی استفاء کرتے تھے اور آپ مشکل سے مشکل مقامات کو اس طرح حل فرما دیتے کہ مخاطب حیران رہ جاتا۔ سبق کو لطائف، واقعات اور مثالوں سے اس طرح مزین رکھتے کہ طلباء کو کبھی اکتاہٹ نہیں ہوتی۔

بیعت وسلوک:

پہلے آپ نے سندھ کے ایک بزرگ حضرت مولانا حماد اللہ ہالیجویؒ سے بیعت کی جو کہ اپنے زمانے کے قطب الارشاد تھے جن کی علامہ یوسف بنوریؒ بہت تعریف فرماتے ایک موقعہ پر فرمایا کہ نہایت حاذق عالم تھے اور نہایت محقق اور زاہد تھے ان کے زہد کی نظیر میں نے اپنی زندگی میں نہ دیکھی اور نہ سنی۔

پھر جب ۱۳۸۰ھ میں حضرت حماد اللہ ہالیجویؒ کا انتقال ہو گیا تو آپ نے برکۃ العصر قطب العالم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے اپنا روحانی تعلق جوڑ لیا اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے ساتھ جنوبی افریقہ میں سفر اور اعتکاف بھی فرمایا اسی اعتکاف میں حضرت شیخ الحدیثؒ نے حضرت مفتی صاحبؒ کو خلافت سے بھی نوازا۔

آپ کی مجلس ہر بدھ کے دن ہوتی تھی پہلے مدرسہ جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں اور پھر بیماری کے ایام میں گھر پر ہی ہوتی تھی اور جب طبیعت زیادہ خراب ہوتی تو یہ مجلس موقوف ہو جاتی تھی۔

تلامذہ:

آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں تک پہنچی ہوئی ہے جو دنیا کے مختلف ممالک میں اشاعت دین کا کام کررہے ہیں۔

خصوصاً جنوبی افریقہ، انگلینڈ، کینڈا، آسٹریلیا، امریکہ، فرانس، ملائشیا، انڈونیشیا، تھائی لینڈ، ایران، بنگلہ دیش عرب، امارات وغیرہ۔

سادگی اور عاجزی:

آپ کی طبیعت بے حد سادہ تھی۔ لباس بھی ایسا سادہ ہوتا کہ، جس شخص کا حضرت مفتی صاحب کا تعارف پہلے سے نہ ہو تو وہ نہیں پہچان سکتا تھا کہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی یہی ہیں۔

کہیں آنے جانے میں اپنے ساتھ دوسروں کو لے جانے کو پسند نہیں فرماتے تھے بلکہ اکیلے ہی تشریف لے جاتے، اور اپنے لئے مجلس میں امتیازی شان کو بالکل پسند نہ فرماتے۔

بقول شاعر

ذرا پی کر بہک جانا یہ کم ظرفوں کا شیوہ ہے
جو عالی ظرف ہیں جتنی پئیں وہ کب بہکے

آپ ہر ایک سے شفقت سے پیش آتے تھے خواہ وہ عام آدمی ہی کیوں نہ ہو جو طلبہ ذہنی لحاظ سے کمزور ہوتے تھے آپ ان کا بھی اکرام فرماتے اسی وجہ سے بہت سے لوگ آپ سے ملنے کے لئے آجاتے تھے جن کو آپ کی غیر موجودگی میں دارالافتاء میں داخل بھی نہ ہونے دیا جاتا۔

اسی طرح آپ حکام سے ملنے جلنے کو بالکل پسند نہیں فرماتے۔ اور آپ نے اپنے اوپر زیادتی کرنے والوں کو ہمیشہ معاف کیا بلکہ اس کا ذکر بھی آپ پسند نہ فرماتے تھے۔ فرماتے کہ چھوڑ یار (یہ مفتی صاحب عموماً فرماتے تھے)

حضرت مفتی ولی حسنؒ اور تبلیغی جماعت:

تبلیغ والوں سے بے حد محبت فرماتے اور تبلیغ میں نکلنے کی وقتاً فوقتاً ترغیب دیتے رہتے اور آپ کے فرمانے سے متعدد علماء نے تبلیغ میں سال اور کم وبیش اوقات لگائے اور آپ ہر سال رائے ونڈ طلباء کے امتحان کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔

نیز کبھی فرماتے کہ سب سے اعلیٰ درجہ تبلیغ کا یہ ہے کہ آدمی خود نکلے، اور پھر اس نے کم درجہ یہ ہے، کہ دوسرے کو نکلنے کی ترغیب دیتا رہے، اور سب سے کم درجہ یہ ہے کہ کبھی اس عظیم کام کی مخالفت نہ کرے۔

حلیہ مبارک:

قدرت نے حضرت مفتی صاحبؒ کو ظاہری حسن سے بھی نوازا تھا۔ متوسط قد، سینہ کشادہ، رنگ گورا چٹا، ڈاڑھی گھنی، ناک ستواں، خوب صورت چہرہ کسی قدر گولائی لئے ہوا تھا۔ آپ کے چہرے سے عظمت وجلال ٹپکتا تھا آواز بلند تھی زبانمیں معمولی سی لکنت تھی مگر یہ لکنت آپ کی فصاحت وبلاغت میں کمی آنے نہیں دیتی تھی۔ بلکہ مزید حسن پیدا کر دیتی تھی۔

تصانیف:

آپ نے تدریس کے ساتھ ساتھ چند تصنیفات بھی فرمائیں جو اہم موضوعات پر مشتمل ہیں آپ کی تصانیف کے نام یہ ہیں۔

(۱) تذکرہ اولیائے پاک وہند۔

(۲) پرائیویٹ فنڈ

(۳) قربانی کے مسائل

(۴) فتنہ انکار حدیث

(۵) بیمہ زندگی

(۶) بدائع الصنائع کا بھی آپ نے اردو میں ترجمہ کرنا شروع فرمایا تھا مگر وہ مکمل نہ ہوسکا۔

بیانات:

شروع میں آپ کی توجہ اس طرف نہیں تھی مگر بعض لوگوں کے اصرار پر آپ نے بیانات کرنا شروع فرمائے جس سے عوام اور خواص دونوں کو خوب فائدہ ہوا۔

ساؤتھ افریقہ میں حضرت شیخ الحدیثؒ کے اصرار پر آپ نے جمعہ کے دن بیان فرمایا، اس کے بعد حضرت شیخ نے مفتی صاحب کے بیان کی بہت تعریف فرمائی اور فرمایا، کہ تم تو کہتے تھے کہ مجھ کو بیان کرنا نہیں آتا تم نے تو آج شان دار بیان فرمایا ہے۔

آخری ایام:

آپ پر فالج کا اثر ہوا اور یہ اثر ختم ہونے کے بجائے بڑھتا ہی گیا۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ آپ کی قوت گویائی بھی ختم ہوگئی۔ چند ایام آپ ہسپتال میں بھی رہے اور پھر گھر کے اندر محدود ہو گئے۔ پھر کبھی طبیعت زیادہ خراب ہو جاتی اور کبھی کچھ صحیح مگر ایسی صحیح نہیں ہوتی کہ بول سکیں یا اپنا کام خود کر سکیں۔

اس بیماری کے بارے مین آپ کے شاگرد خاص حضرت مولانا مفتی محمد

عبدالسلام چاٹگامی فرماتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلند سے بلند درجہ دینے کا ارادہ فرمایا اور مرض فالج کے ذریعہ اس درجہ تک پہنچانے کے لئے آپ کو بیماری میں مبتلا رکھا پھر وقت موعود آنے پر آپ کو صاف ستھرا اور پاک کر کے اپنے پاس بلالیا۔

وفات:

آپ کا انتقال ۲ رمضان ۱۴۱۵ھ مطابق ۳ فروری ۱۹۹۵ء کو سحری کے وقت تقریباً ساڑھے پانچ بجے ہوا۔

عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا۔

تجہیز و تکفین:

آپ کے غسل دینے کی سعادت آپ کے شاگرد مفتی محمد عبدالسلام صاحب چاٹگامی (سابق رئیس دارالافتاء بنوری ٹاؤن) مولانا نور الرحمٰن صاحب اور حافظ عبدالقیوم نعمانی وغیرہ نے مل کر حاصل کی۔ مولانا اقبال اور مولانا تاج الملک غسل دینے والوں کے معاون رہے۔

نماز جنازہ:

جامعہ العلوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں جنازہ پڑھانے کی سعادت آپ کے پرانے ساتھی حضرت مولانا عبدالرشید نعمانیؒ کو ملی، یہاں ہزاروں شاگردوں نے آپ کا جنازہ پڑھا اور پھر دارالعلوم کورنگی میں جب جنازہ پہنچا تو چونکہ آپ کے بڑے صاحبزادے نے جنازہ نہیں پڑھا تھا۔ تو وہاں پر دوبارہ نماز جنازہ ہوئی اور وہاں پر بھی ایک بڑی تعداد میں علماء اور طلباء اور عوام الناس نے جنازے کی نماز پڑھی وہاں پر

دارالعلوم کورنگی کے مہتمم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی نے جنازہ کی نماز کی امامت کی۔

تدفین:

نماز جنازہ کے بعد آپ کی تدفین دارالعلوم کورنگی کے احاطہ ہی میں واقع اس عظیم الشان قبرستان میں ہوئی۔ جس میں متعدد علماء ومشائخ مدفون ہیں۔

بقول شاعر:

مٹی میں کیا سمجھ کے دفن کرتے ہو دوستو
یہ خزینہ علم ہے خزینہ رو نہیں ہے

---

(۱) حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کی مکمل سوانح حیات الگ سے کتابی شکل میں شائع ہو چکی ہے تصنیف مولانا محمد حسین صدیقی استاد حدیث جامعہ بنوریہ سائٹ۔

حضرت مولانا سیّد مصباح اللہ شاہ صاحبؒ

(شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن)

ممکن نہیں ہے دوسرا تجھ سا ہزار میں

ہوتا ہے اک بہشت کا دانہ انار میں

نام:

نام مصباح اللہ والد کا نام مولانا سید عبد الصادق تعلق مالوف چنار کوٹ تحصیل مانسہرہ ہزارہ تھا۔

سن ولادت:

حضرت مولانا مصباح اللہ صاحبؒ کی ولادت ۱۹۳۰ء مطابق ۱۳۴۹ھ میں ہوئی۔

تحصیل علوم:

ابتدائی تعلیم دار العلوم دیوبند کی نورانی فضاء میں حاصل کی۔ مولانا مصباح اللہ شاہؒ کے بہنوئی مولانا پیر سید شاہ صاحبؒ پہلے ہی سے دار العلوم دیوبند میں پڑھتے تھے اس لئے وہ اپنے برادر نسبتی کو بھی اپنے ساتھ دار العلوم لے گئے۔ جب کہ حضرت مصباح اللہ صاحبؒ کی عمر ابھی صرف چھ سال ہی کی تھی۔

درالعلوم دیوبند میں ابھی دو سال ہی گزرے تھے کہ آپ کے بہنوئی کی تعلیم مکمل ہوگئی تو وہ واپس اپنے وطن چنار کوٹ آگئے تو مصباح اللہ شاہ صاحبؒ کو بھی چھوٹے ہونے کی وجہ سے ان ہی کے ساتھ واپس آنا پڑا۔ پھر کچھ کتابیں اپنے وطن میں ہی

پڑھیں پھر کچھ کتابیں کیمل پور (گجرات) میں پڑھیں اور دورہ حدیث کرنے کے لئے ٹنڈو الہ یار کے مدرسے میں جو اس وقت دیوبند ثانی کی حیثیت رکھتا تھا ۱۹۵۳ء بمطابق ۱۳۷۲ھ میں داخلہ لیا اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوریؒ، حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، اور حضرت مولانا اشفاق الرحمٰنؒ سے دورہ حدیث کی کتابیں پڑھیں۔

قوت حافظہ:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوت حافظہ کی دولت عطاء فرمائی تھی۔ جب قرآن مجید کے حفظ کرنے کا شوق پیدا ہوا تو چار ماہ کی قلیل مدت میں پورا قرآن مجید حفظ کرلیا۔

ذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء۔

بیعت و سلوک:

ابتداء آپ نے اپنا اصلاحی تعلق حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے قائم کیا اور جب حضرتؒ کا انتقال ۱۹۵۶ء میں ہوگیا تو اس کے بعد حضرت قطب العالم شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ سے قائم کرلیا۔ جن کے بارے میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ فرماتے تھے کہ میں نے ایسا قوی الاثر بزرگ اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔

مدرسہ خدام القرآن میں تدریس:

ٹنڈو الہ یار سے فراغت کے بعد آپ نے ابتداء مدرسہ خدام القرآن ضلع رحیم یار خان میں تدریس کی اور وہاں تقریباً دس سال میں مختلف فنون کی مختلف کتابیں پڑھائیں۔

علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں تدریس:

۱۹۶۵ء میں اپنے خاص رفیق حضرت مولانا بدیع الزمانؒ کے بے حد اصرار پر جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی تشریف لے آئے اور پھر یہاں کے ہی ہوکر رہ گئے۔ تقریباً تیس سال تک یہاں پر تدریس کے دوران ابتدائی کتابوں سے لیکر بخاری شریف تک کی کتابیں پڑھائی۔

مصباح اللہ شاہؒ کی درسی خصوصیات:

یہ بات بہت کم اساتذہ میں پائی جاتی ہے کہ منتہی طلباء کو پڑھانے والے ابتدائی طلباء کو بھی ابتدائی اسباق پڑھائیں۔ حضرت مولانا مصباح اللہ شاہ صاحبؒ کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ دورہ حدیث والوں کو بخاری جتنے ذوق شوق سے پڑھاتے تھے، اتنے ہی ذوق وشوق سے اولیٰ والوں کو نحو میر سمجھاتے تھے۔ نیز آپ کو جو خدا نے ذہانت اور قوت حافظہ عطا فرمایا تھا اس کی وجہ سے آپ کے درس کا انداز ہی نرالا تھا آپ کی تقریر بہت ہی زیادہ مربوط ہوتی اور آپ کی تقریر اتنی عام فہم اور سہل ہوتی کہ غبی سے غبی طالب علم بھی اس کو سمجھ کر یاد کر لیتا تھا۔ بخاری شریف کا درس بہت مشہور تھا کہ آخری ایام میں بخاری شریف کئی سالوں تک پڑھائی۔

اخلاق وعادات:

حضرت مولانا مصباح اللہ شاہ صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار صفات سے نوازا تھا اس سلسلہ میں حضرت مولینا یوسف لدھیانویؒ تحریر فرماتے ہیں۔

''میری رفاقت شاہ صاحبؒ سے تیس سال رہی اس طویل مدت میں خلوت و جلوت میں ان کے حالات کے مطالعہ کا موقع ملا واقعہ یہ ہے کہ ان جیسے آدمی کم ہی دیکھنے میں آتے ہیں ان کے بعض اوصاف وعادات تو اس ناکارہ کے لئے ہمیشہ

لائق صدر شک رہے۔ ان کے یہاں انانیت وخود پسندی اور کبر وعجب نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ کسی سے بغض وکینہ رکھنا ان کے آئین درویشی ہی سے خارج تھا۔

آئین ماست سینہ جول آئینہ داشتن

کفر است در طریقت ماکینہ داشتن

(ترجمہ) ہمارا آئین ہے دل کو شیشے کی طرح صاف رکھنا دل میں کینہ رکھنا ہمارے طریقہ میں کفر ہے۔

کسی سے الجھنے اور جھگڑنے کے قائل نہیں تھے بسا اوقات بعض مسائل زیر بحث آتے لیکن ان کے یہاں کبھی مباحثہ ومجادلہ کی نوبت نہیں آتی تھی۔ جب کبھی گفتگو مباحثہ کا رخ اختیار کرتی نظر آتی تو وہ فرماتے بس چھوڑو مولوی۔ (یہ حضرت مولانا کا تکیہ کلام تھا)

ذوق عبادت:

عبادات کا بھی اللہ نے بہت ذوق وشوق عطا فرمایا تھا۔ ایک عرصہ دراز تک تین ہٹی (لیاقت آباد) کے قریب ایک مسجد جس کا نام مبارک مسجد ہے اس میں امامت وخطابت فرمائی۔ تکبیر اولیٰ کا بہت زیادہ اہتمام کرتے۔ حج اور عمرے کے سفر میں مسجد نبوی میں بے حد اژدحام کے باوجود صف اول میں نماز پڑھنے کا اہتمام فرماتے۔

تلاوت قرآن پاک اور اپنے معمولات کو پابندی سے پورا فرماتے تھے۔ تہجد کا بہت ہی زیادہ اہتمام فرماتے اور طلباء کو بھی اس کی وقتاً فوقتاً ترغیب فرماتے۔

وفات حسرت ایام

۱۰ جمادی الاخری بمطابق ۴ نومبر ۱۹۹۵ کو طبیعت بالکل صحیح تھی۔ کسی قسم کی کوئی خاص بیماری نہیں تھی صرف معمولی سی کھانسی تھی۔ تقریباً گیارہ بجے رات کو استنجاء کے

لئے تشریف لے گئے استنجاء کے بعد وضو کیا گھر کے لوگوں نے کہا کہ ابھی تہجد کی نماز کا وقت نہیں ہوا ہے کچھ اور آرام فرمالیں اسی دوران کچھ کھانسی میں شدت پیدا ہوگئی تھی فرمانے لگے اچھا۔ اور پھر لیٹ گئے اور اپنے مولیٰ حقیقی جس کو راضی کرنے کے لئے پوری زندگی عبادت کی اور اپنے تمام جذبات کو اس کے لئے قربان کردیا ہمیشہ کے لئے اس کے پاس پہنچ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

گھر والوں نے کھانسی کی شدت کے پیش نظر ڈاکٹر کو بھی بلایا مگر ڈاکٹر کے آنے سے پہلے ہی وہ اپنے آقا کے پاس پہنچ چکے تھے۔

نہ دنیا میں آئیں گے یہ لوگ
کہیں ڈھونڈ نہ پائینگے یہ لوگ

تجہیز و تکفین:

ماشاءاللہ شاہ صاحبؒ کے صاحبزادگان عالم دین ہیں انھوں نے خود ہی غسل دیا ساتھ میں حضرت مولانا ڈاکٹر نظام الدین شامزی شہیدؒ بھی شریک رہے۔

جنازے کی نماز:

جنازے کی نماز حضرت مولانا ڈاکٹر نظام الدین شامزیؒ شہید نے پڑھائی۔

تدفین:

رشتہ داروں کا اصرار تھا کہ ان کو ان کے آبائی علاقے میں دفن کیا جائے اس لئے جنازے کے بعد حضرت شاہ صاحب کی میت کو ان کے آبائی علاقے چنار کوٹ لے جایا گیا اور وہاں ہی حضرت شاہ صاحبؒ کی تدفین ہوئی۔(۱)

باقیات صالحات:

حضرت شاہ صاحبؒ کی چالیس سالہ تدریس میں بے شمار روحانی اولاد ہوئی،

جن میں بڑے بڑے جید علماء بھی ہیں۔ یہ سب حضرت شاہ صاحبؒ کے لئے صدقہ جاریہ ہیں اس کے علاوہ چار صاحب زادے اور ایک صاحب زادی بھی ہیں۔ تین صاحب زادے الحمدللہ عالم ہیں اور درس وتدریس میں مشغول ہیں۔ صاحب زادی شادی شدہ ہیں اور وہ بھی نیک خاتون ہیں۔

---

(۱)۔ اگر چہ حضرت شاہ صاحب کی تدفین کراچی میں نہیں ہوئی مگر پوری زندگی کراچی میں ہی گزاری اور بندے کے شفیق استاد بھی تھے اس لئے احباب کا کہنا تھا کہ حضرت شاہ صاحب کے حالات بھی اس کتاب میں شامل کر دیے جائیں۔

حضرت مولانا محمد اسحاق صدیقی سندیلویؒ رحمہ اللہ

(سابق مہتمم وشیخ الحدیث ندوۃ العلماء لکھنو)

آئے عشاق گئے وعدہ فردا لے کر

اب انھیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

نام: محمد اسحاق۔ سلسلہ نسب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے اس لئے ان کو صدیقی کہا جاتا ہے۔

ولادت:

۱۲ فروری ۱۳۱۱ھ ۱۹۳۱ء بمطابق ۵ ربیع الاول بروز چہار شنبہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔

تحصیل علوم:

ابتدائی تعلیم کے سلسلہ میں "ندوۃ العلماء" میں دو سال پڑھا۔ اس کے بعد درس نظامی کی تکمیل کے لئے آپ نے مدرسہ القرقانیہ (لکھنؤ) میں داخلہ لیا اور وہاں سے فارغ التحصیل ہوئے۔ قراءت اور مولوی فاضل کے امتحانات دیئے اور پھر منبع الطب کالج لکھنو سے طب پڑھی اور اس کے امتحان میں بھی آپ اچھے نمبرات سے پاس ہوئے اور پھر چند دنوں تک آپ نے کانپور میں مطب بھی کیا۔ آپ کو علامہ شبلی نعمانیؒ کی شاگردی کا شرف بھی حاصل ہوا۔

ندوۃ العلماء میں تدریس:

۱۹۳۹ء میں حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کی دعوت پر آپ ندوۃ العلماء لکھنؤ تشریف لے گئے وہاں پر آپ نے تدریسی خدمات انجام دی اور پھر اپنی خدا داد صلاحیتوں کی بنیاد پر آپ پر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ آپ ندوۃ العلماء کے شیخ

الحدیث ہوگئے۔ آپ وہاں کے مہتمم بھی رہے۔

بیعت:

آپ نے اپنا اصلاحی تعلق حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے قائم کیا اور پھر آخر میں حضرت تھانویؒ کے خلیفہ حضرت عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفیؒ سے تعلق قائم کیا اور حضرت عارف باللہؒ سے مجاز بھی ہوئے۔ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفیؒ آپ سے بہت زیادہ محبت فرماتے تھے۔ کبھی کبھار ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفیؒ خود مولانا محمد اسحاق صدیقیؒ کی قیام گاہ پر تشریف لے آتے تھے اور کبھی کہلوا بھیجتے تھے کہ مولانا! آجایئے آپ سے ملنے کو جی بہت چاہتا ہے۔

جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوریؒ ٹاؤن میں آمد:

۱۹۷۱ء مطابق ۱۳۹۰ھ میں حضرت محدث العصر علامہ محمد یوسف بنوریؒ کی پرخلوص دعوت پر مولانا اسحاق صدیقی صاحبؒ پاکستان تشریف لے آئے اور آتے ہی حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے شعبہ تخصص فی الدعوۃ والارشاد جس میں درس نظامی سے فارغ شدہ علماء کو جو امتیازی نمبرات میں پاس ہوئے ہوں داخلہ دیا جاتا تھا اور اس شعبہ میں طلباء کو مذاہب باطلہ سے متعارف کرایا جاتا تھا اور ان کی تردید اور دعوت وتبلیغ کے لئے ان کو تیار کیا جاتا تھا، اس اہم شعبہ کا نگران حضرت مولانا اسحاق صدیقیؒ کو بنایا۔ جس سے اس شعبہ کو چار چاند لگ گئے اور اس شعبہ میں دیکھتے ہی دیکھتے بڑی ترقی ہوئی۔

جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوریؒ ٹاؤن سے استعفیٰ:

اس کے بارے میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد اسحاق صدیقیؒ کی ابتدائی تعلیم وتربیت حضرت امام اہل سنت مولانا عبدالشکورؒ لکھنوی کے مدرسہ میں ہوئی اس لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی

محبت وعظمت ان کے روح وقلب میں موجود تھی پھران کی عمر عزیز کا قیمتی وقت بھی لکھنو کے اسی ماحول میں گزرا تھا انھوں نے مدح صحابہؓ میں لوگوں کی چیرہ دستیوں اور تحریک مدح صحابہؓ کی جولانیوں کو بچشم خود دیکھا تھا اس لئے دشمنان صحابہؓ کے لئے ان کے دل میں کوئی نرم گوشہ نہ تھا۔ جب کراچی میں محمود احمد عباسی نے ناصبی تحریک چلائی جس میں روافض کے رد میں۔ ان ناصبی لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کی خلافت کا انکار کیا اور حضرت علی کی تنقیص وتوہین بھی کرتے تھے۔ اس قسم کے لوگوں نے حضرت مولانا کی شخصیت سے فائدہ اٹھایا اور ان کو امام اہل سنت کا خطاب دے کر ان سے قرب حاصل کیا اور اپنی کتابوں میں ان سے تقریظیں لکھوانی شروع کر دیں اس طرح انھوں نے حضرت مولانا مرحوم کو تحریک ناصبیت کے قائد کی حیثیت سے پیش کیا (حضرت مولانا نے اپنی سادگی میں ایسا کیا) جب کہ خلافت وملوکیت کے جواب میں مولانا اپنی مشہور تصنیف اظہار حقیقت میں لکھتے ہیں۔

الحمد اللہ ان سطور کا راقم زمرۂ اہل سنت والجماعت میں داخل ہے۔ اسی پر جینا اور اسی پر مرنا اس کی سب سے بڑی خواہش ہے اور اس پر استقامت کو اپنے لئے وسیلۂ نجات سمجھتا ہے اس لئے اس کا پختہ عقیدہ ہے کہ سیدنا علی المرتضٰیؓ کی خلافت صحیح خلافت تھی اور بے شک وہ خلیفہ برحق ہیں یہ بھی میرا عقیدہ ہے کہ مربی اعظم خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض تربیت نے ادنٰی سے ادنٰی صحابیؓ کے قلب کو طلب دنیا کے ادنٰی سے ادنٰی شائبہ سے بھی پاک کر دیا تھا،،، چہ جائیکہ حضرت علی المرتضٰیؓ جن کا شمار اعلٰی صحابہ میں سے ہے اور وہ تو اس گروہ کی افضل ترین جماعت میں شامل ہیں۔''

بہرحال جب ناصبی لوگوں نے حضرت مولاناؒ کو استعمال کرنا شروع کیا اور تقریظیں لکھوانا شروع کیں تو حضرت مولانا محمد اسحاق صدیقی ندویؒ کے رّد پر ۱۹۸۳ء مطابق ۱۴۰۳ھ میں حضرت مولانا قاضی مظہر حسین آف چکوال نے ۶۱۲ صفحے کی ایک کتاب لکھی جس کا عنوان یہ تھا ''مولانا محمد اسحاق سندیلوی کراچی کا مسلک اور

خارجی فتنہ۔"

اور اس کتاب کو پھر بینات کے رسالہ میں تبصرہ کے لئے بھی بھیجا گیا جس پر مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے عادلانہ طور سے تبصرہ کیا اور حضرت مولانا محمد اسحاق صدیقی کا دفاع بھی کیا۔ مگر حضرت مولانا محمد اسحاق صدیقیؒ کے ساتھیوں نے بعد میں کچھ غلط ردعمل کا اظہار کیا اور حضرت مولانا محمد اسحاق صدیقیؒ سے کہا کہ آپ جامعہ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن سے استعفیٰ دے دیں۔ مولانا نے اپنے ان احباب کے کہنے پر جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن سے استعفیٰ دے دیا۔ کچھ لوگوں نے سمجھایا بھی مگر مولانا کے ساتھیوں نے قبول نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مولانا کی شخصیت سے جامعہ العلوم الاسلامیہ محروم ہو گیا۔

تقویٰ وانکساری:

حضرت مولانا عجز وانکسار میں اپنی مثال آپ تھے۔ حد درجہ آپ میں انکساری ومسکنت تھی۔ اور عبادات کا بھی بہت ہی زیادہ اہتمام کرتے تھے۔ نماز ایسے خشوع وخضوع سے پڑھتے تھے۔ کہ دیکھنے والے کو رشک آ جاتا تھا۔

ان کے تقویٰ کی ایک بات یہ بھی ہے کہ ان کی ذاتی ڈائری میں جس کو انھوں نے اپنی زندگی کے آخری حصہ میں یعنی ۱۹۹۵ء میں لکھا وہ لکھتے ہیں۔

"میری زندگی میں میرے چند احباب اور چند علماء نے میرا دل بہت دکھایا لیکن میں اللہ کے حضور شکایت کے یہ کانٹے لے کر نہیں جانا چاہتا میں ان سب کو صدق دل سے معاف کرتا ہوں۔

اور اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ بھی انہیں معاف کر دے۔"

ذوق مطالعہ:

مطالعہ کرنے کا بہت ہی زیادہ ذوق تھا بلکہ یہ کہا جائے کہ وہ کتابوں کے کیڑے

تھے۔ جب بھی دیکھا گیا ان کو مطالعہ کرتے ہی پایا گیا۔ کچھ لکھتے ہوئے ہی دیکھا گیا اور ہر قسم کے فن کی کتابوں کا مطالعہ فرماتے اور جس فن کی کتابوں کو پڑھتے تو اس فن کی گہرائی تک پہنچے بغیر ان کو چین نہیں آتا تھا۔ آخری ایام میں اپنے وصال پہلے دو سال پہلے سائنس کے مضامین کے پڑھنے کا شوق پیدا ہوا اس کے لئے انھوں فزکس اور زولوجی پڑھنا شروع کی اور اس میں اتنی مہارت حاصل کرلی کہ بعض انٹرمیڈیٹ طلباء کو اس کی تیاری بھی کروائی۔

ان کے بھائی عبدالحق تمنا کہتے ہیں کہ انتقال سے چند ماہ قبل انھوں نے ایک کتاب Pawms The in Gane کا مطالعہ کیا جس میں یہودیوں کی بین الاقوامی سازشوں کی تاریخ بیان کی گئی ہے اور ان کے آئندہ کے منصوبوں کی نشاندہی کی گئی ہے چونکہ میں بھی اس موضوع سے خصوصی دلچسپی رکھتا ہوں اس لئے انھوں نے مجھے بلا کر اس کتاب پر مثبت عالمانہ تبصرہ کیا اور اس موضوع پر لکھی گئی تقریباً پانچ کتابوں کے مزید حوالے دیئے۔

باقیات صالحات:

آپ کی کوئی اولاد نہیں تھی مگر روحانی اولاد پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور آپ نے متعدد قیمتی کتابیں بھی تصنیف فرمائیں۔ مثلاً

(۱) اسلام کا سیاسی نظام یہ حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کی فرمائش پر لکھی تھی گویا یہ پاکستان کے آئین کا پہلا خاکہ ہے۔

(۲) اظہار حقیقت بجواب خلافت وملوکیت۔ اس میں مودودی صاحب کی کتاب خلافت وملوکیت کا بہترین جواب دیا گیا۔

(۳) دینی نفسیات

(۴) تنویر العینین فی تفسیر المسعودتین

(۵) ایمان وایمانیات

(۷) نور حیات (اس کے علاوہ متعدد تحقیقی مضامین ومقالات۔ کئی رسائل میں چھپتے رہے۔ خاص کر کے آپ کے مضامین رسالہ بینات کی زینت بنتے رہے۔)

وفات:

۲۷ جمادی الاولی ۱۴۱۶ھ مطابق ۲۳ اکتوبر ۱۹۹۵ء شب کو دو بجے جبکہ قمری لحاظ سے آپ کی عمر ۸۵ برس دو ماہ ۲۲ دن تھی اور شمسی لحاظ سے آپ کی عمر ۸۲ سال سات ماہ تھی۔ اس دار الفانی سے دار الباقی کی طرف کوچ فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نماز جنازہ:

آپ اپنے چھوٹے بھائی عبدالحق تمنا کے ساتھ گلشن اقبال پلاٹ نمبر ا نزد جامع مسجد قباء میں رہائش پذیر تھے۔ اسی گھر میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

نماز جنازہ:

جنازے کی نماز علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ کے بڑے داماد اور مجلس علمی کے مالک مولانا محمد طاسین صاحبؒ نے پڑھائی۔

تدفین:

پھر آپ کی تدفین فیڈرل بی ایریا میں غریب آباد سے ملحقہ قبرستان میں ہوئی۔ اللہ آپ کی قبر پر ہزاروں رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین۔

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار رحمۃ اللہ علیہ

(داماد علامہ محمد یوسف بنوریؒ، شیخ الحدیث و مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوریؒ ٹاؤن)

آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو
گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

نام: محمد حبیب اللہ

ولادت باسعادت:

۲۸ فروری ۱۹۴۴ء کو پیدا ہوئے۔

تعلیم علوم:

تعلیم کی ابتداء مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے مدرسہ دارالعلوم نانک واڑہ کراچی سے کی۔ اور جب نانک واڑہ کا مدرسہ کورنگی میں منتقل ہوا تو آپ حصول علم کے لئے وہاں تشریف لے گئے۔ دوسرے درجہ (درجہ ثانیہ) تک وہاں علم حاصل کیا۔ اور اسی عرصہ میں علامہ بنوری ٹاؤن کا قیام عمل میں آچکا تھا۔ اس کے بعد آپ نے پھر بنوری ٹاؤن میں داخلہ لے لیا اور پھر یہاں ہی سے اپنی درس نظامی کی تعلیم کی تکمیل کی۔

وفاق المدارس میں پوزیشن:

آپ نے علامہ بنوری ٹاؤن سے ۱۹۶۳ء میں دورہ حدیث کا امتحان دیا، جس میں آپ پورے پاکستان میں دوسرے نمبر پر رہے۔

تخصص فی علوم الحدیث:

آپ نے دورہ کا امتحان دینے کے بعد بنوری ٹاؤن ہی میں تخصص فی علوم الحدیث جس کے مشرف (نگران) حضرت مولانا ادریس صاحب میرٹھی تلمیذ علامہ انورشاہ کشمیری رحمہ اللہ تھے۔ اس تخصص میں حدیث اور علوم حدیث کے بارے میں خصوصی تعلیم دی جاتی تھی۔ پھر دو سال تعلیم حاصل کر کے پہلی پوزیشن حاصل کی، اس کے بعد آپ نے بنوری ٹاؤن میں ہی ایک سال دارالافتاء میں مفتی اعظم حضرت مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کی صحبت میں رہ کر الافتاء کی تمرین بھی کی۔

جامعہ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں آپ کے اساتذہ:

آپ نے یہاں پر رہ کر چوٹی کے علماء سے علم دین حاصل کیا جن میں سے چند کے اسماء گرامی یہ ہیں (۱) محدث العصر حضرت مولانا یوسف بنوری صاحبؒ (۲) حضرت مولانا فضل محمد سواتی۔ (۳) مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی ولی حسن ٹونکیؒ (۴) مولانا ادریس میرٹھیؒ (۵) مولانا محمد لطف اللہ صاحبؒ (۶) حضرت مولانا شیخ الحدیث سلیم اللہ خان صاحب وغیرہ۔

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ:

آپ کا اور آپ کے والد ماجد حضرت حکیم مختار صاحب کا تعلق محدث العصر حضرت مولانا یوسف بنوریؒ سے تھا۔ ۱۹۶۶ء میں حضرت بنوری صاحب کے ہی مشورہ سے آپ نے مدینہ منورہ کی مشہور یونیورسٹی جامعہ اسلامیہ میں داخلہ لیا۔

اور پھر چار سال وہاں سے تعلیم حاصل کر کے ۱۹۷۰ء میں آپ واپس کراچی تشریف لے آئے۔

تدریس:

مدینہ منورہ سے واپسی پر حضرت محدث العصر علامہ یوسف بنوریؒ نے ان کو اپنے جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں تدریس کے لئے مقرر فرمالیا پھر آخری وقت تک آپ نے یہاں پر رہ کر ابتداءی کتابوں سے بخاری لے کر شریف تک کا درس دیا اور ہزاروں کی مقدار میں آپ کے شاگردوں نے آپ سے استفادہ کیا جو دنیا کے مختلف ملکوں میں دین کے کام میں مشغول رہے۔

شادی:

مدینہ منورہ سے واپسی کے کچھ عرصہ کے بعد ہی حضرت محدث العصر علامہ محمد یوسف بنوری نے اپنے اس ہونہار شاگرد سے اپنی صاحبزادی کا نکاح فرما کر اپنی دامادی کا شرف بھی بخشا۔

کراچی یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ:

آپ نے حضرت مولانا یوسف بنوریؒ کے حکم سے کراچی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کرنے کے لئے داخلہ لیا اور حضرت مولانا یوسف بنوری صاحب ہی آپ کے مشرف ونگران مقرر ہوئے۔ مگر افسوس یہ ہوا کہ ابھی مقالہ مکمل نہیں ہوا تھا کہ حضرت مولانا یوسف بنوریؒ کی حیات مکمل ہوگئی اور آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

اس کے بعد مولانا حبیب اللہ مختار نے اپنے مقالہ کی تکمیل جناب ڈاکٹر افتخار احمد صدر شعبہ علوم اسلامیہ جامعہ کراچی کے زیر نگرانی مکمل فرمایا۔ وہ مقالہ جس پر حضرت مولانا حبیب اللہ مختار نے کام فرمایا۔ اس کا ”نام الامام الترمذی وتخریج کتاب الطہارۃ من جامعہ“ ہے۔ پی ایچ ڈی کرنے کے بعد آپ نے اس کام کو جاری رکھا اور کشف النقاب کے نام سے اس کی چھ ضخیم جلدیں منظر عام پر آئیں، مگر افسوس یہ کہ یہ کام بھی نامکمل تھا اور حضرت مولانا حبیب اللہ مختار اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

اگر یہ کام مکمل ہو جاتا تو ایک ایسا علمی شاہکار ہوتا جس کی نظیر کا ملنا مشکل تھا۔

بیعت وسلوک:

آپ حضرت مولانا محدث العصر محمد یوسف بنوری کے ہی حکم سے حضرت اقدس مولانا عبدالعزیز رائے پوری سے بیعت ہوگئے حضرت مولانا یوسف بنوریؒ عبدالعزیز رائے پوری کے بارے میں فرماتے تھے کہ اس جیسی اونچی نسبت والا بزرگ میں نے نہیں دیکھا۔ چنانچہ آپ ان سے بیعت ہوئے اور پھر کچھ ہی عرصہ کے بعد حضرت رائے پوری نے ان کو خلافت واجازت سے بھی سرفراز فرمایا۔

جامعہ العلوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں مہتمم:

حضرت مولانا یوسف بنوریؒ کے انتقال کے بعد حضرت مفتی احمد الرحمٰن جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم بنے ساتھ ہی ساتھ حضرت مولانا حبیب اللہ مختار کو نائب مہتمم مقرر کیا گیا۔

اور جب حضرت مفتی احمد الرحمٰن صاحب کا انتقال ہوگیا تو مولانا حبیب اللہ مختار کو جامعہ کا مہتمم نامزد کرلیا گیا۔ آپ کے دور اہتمام میں جامعہ العلوم الاسلامیہ میں کافی ترقیاں ہوئیں۔

وفاق المدارس العربیہ کے ناظم اعلیٰ:

حضرت مفتی احمد الرحمٰن وفاق المدارس کے ناظم اعلیٰ بھی تھے۔ ان کے انتقال کے بعد یہ جگہ خالی ہوئی، وفاق المدارس کی شوریٰ کی نظر میں اس خالی جگہ کے لئے سب سے زیادہ موضوع حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار کی شخصیت تھی۔ چنانچہ آپ کو وفاق المدارس کا ناظم اعلیٰ مقرر کرلیا گیا۔

پابندیٔ وقت:

اللہ نے آپ کو بے شمار خوبیوں کا مالک بنایا تھا ان میں سے دو خوبیوں آپ بہت زیادہ ممتاز تھے۔ آپ نے اپنے اوقات کو تقسیم فرمایا تھا عجب ہے کہ اس معمول میں معمولی سا بھی فرق آجائے اس بارے میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی تحریر فرماتے ہیں۔ ''مولانا موصوف اپنے معمولات یومیہ پر کس قدر کاربند تھے؟ اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جس دن مولانا مرحوم کا نکاح ہوا اور آپ کو رشتہ ازدواج میں منسلک کیا گیا اس دن بھی آپ نے اپنے معمولات کا ناغہ کرنا گوارا نہیں فرمایا۔ چنانچہ ان کے اکابر اور معاصر حضرات کی روایت ہے کہ عصر کے بعد نکاح اور مغرب کے بعد جامعہ ہی میں مہمانوں کا اجتماع تھا مگر موصوف ان مہمانون میں بیٹھنے اور ان کے ساتھ مشغول ہونے کے بجائے اوابین کی نماز سے فارغ ہوتے ہی سیدھے دارالتصنیف میں تشریف لے گئے اور اپنے معمولات کی بجا آوری میں مشغول ہوئے۔ دوسری طرف جب دولہا میاں مجلس میں نہ پائے گئے تو تشویش ہوئی، تلاش کیا گیا تو آپ ذکر وظائف وتسبیح میں مشغول پائے گئے۔ ان سے عرض کیا گیا کہ آج تو اس کو موخر کرلیا جاتا تو اس پر فرمایا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے احب الاعمال الی اللہ ادومھا وان قل محبوب ترین عمل وہ ہے جس پر دوام ہو جائے وہ تھوڑا ہی سا عمل بھی کیوں نہ ہو۔''

اسی طرح جس وقت ان کے والد ماجد کا انتقال ہوا جن سے حضرت مولانا کو بے حد محبت تھی، ابھی تکفین میں کچھ وقت تھا اسی وقت میں درس کے لئے درسگاہ میں تشریف لے گئے اور معمول کے مطابق درس دیا۔ اسی طرح متعدد آپ کی زندگی میں مثالیں ملیں گی کہ حضرت مولانا اپنے اوقات کے کتنے پابند نظر آتے تھے۔

قوت ارادی:

ایک صفت حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار کے اندر مضبوط قوت ارادی کی تھی جس کام کا بھی عزم فرماتے اس کو ہر ممکن پورا کرنے کی کوشش فرماتے۔اس کے کرنے میں چاہے کتنی ہی مشکلات ومصائب کا سامنا کرنا پڑے ان کو ان کے عزم سے ہٹانے والا کوئی نہیں تھا، گویا کہ وہ اپنے عزم میں فولاد سے زیادہ مضبوط اور پہاڑ سے زیادہ بلند تھے۔

تصانیف

کشف النقاب:

ان کی اہم ترین تصنیف امام ترمذی کے ''فی الباب'' کی تخریج تھی۔اس کام کی ابتداء آپ نے جمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ھ سے کی۔اور آخرت وقت تک کرتے رہے اس دوران متعدد کتابیں اور تراجم بھی ہوتے رہے۔اس کتاب کا تعارف کرواتے ہوئے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں۔

''ترمذی شریف اپنی گوناگوں خصوصیات اور فقہی وحدیثی اور علمی فوائد کی بناء پر صحاح ستہ میں ایک خاص امتیازی شان رکھتی ہے۔امام ترمذی نے اپنے اختصار اور تکثیر فوائد کے پیش نظر یہ التزام کیا ہے کہ وہ ہر بات میں صرف ایک صحابی کی حدیث لاتے ہیں اور کبھی دو یا کچھ زائد بھی حدیث لے آتے ہیں اور بقیہ احادیث کی طرف ''و فی الباب عن فلاں، عن فلاں'' سے اشارہ کر جاتے ہیں جس سے قاری کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس مسئلہ میں اتنے صحابہؓ کی احادیث موجود ہیں۔امام ترمذیؒ کے ''فی الباب'' کی اہمیت کے پیش نظر اکابر محدثین نے اس کی تخریج کی طرف توجہ فرمائی (تخریج کا مطلب یہ ہے کہ امام ترمذی نے فی الباب کے تحت جن صحابہؓ کی احادیث کا حوالہ دیا ہے یہ بتایا جائے کہ یہ احادیث کن کن کتابوں میں کہاں کہاں ملیں گی۔)

چنانچہ تخریج کرنے والوں میں ابن سید الناس، حافظ زین الدین عراقی، اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہم اللہ کے نام ذکر کئے گئے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ یہ تخریجات اب تک گوشہ گمنامی میں ہیں۔ حضرت اقدس مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے معارف السنن کی تالیف کے دوران امام ترمذی کے فی الباب کی تخریج کا ارادہ فرمایا تھا اور عیدین، زکوۃ اور صوم کے کچھ ابواب کی مختصر تخریج بھی فرمائی تھی" لیکن اس کام کی وسعت وطوالت کے لئے جس قدر فرصت وفراغت اور قوت ونشاط کی ضرورت تھی حضرت رحمہ اللہ علیہ کے مشاغل کثیر میں اس کی کوئی گنجائش نہ تھی اس لئے حضرت کے محبّ ومحبوب تلمیذ رشید جناب مولانا محمد حبیب اللہ مختار جب مدینہ یونیورسٹی سے فارغ ہوئے تو حضرت نے ان کو اس کام کے لئے منتخب کیا۔

چنانچہ موصوف نے جمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ سے ترمذی تشریف کے فی الباب کی تخریج کا آغاز کیا حق تعالیٰ شانہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے اپنی دیگر علمی وانتظامی مصروفیات کے باوجود موصوف اس عظیم الشان کام میں مصروف ہیں اور تصنیف کتاب پر تقریباً پندرہ جلدوں کا مسودہ مرتب کر چکے ہیں۔ (۱)۔ (مگر افسوس ابھی تک صرف چھ جلدیں چھپی ہیں)

دیگر تصانیف:۔

اس کے علاوہ بھی متعدد تصانیف اور تراجم آپ نے تحریر فرمائے ان میں سے چند کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

(۱)۔ سنت نبویہ اور قرآن کریم۔ (۲) السنۃ النبویہ ومکانتہا فی ضوء القرآن الکریم۔ (۳)۔ القصاصد البنوریۃ (۴)۔ المقدمات البنوریہ۔ (۵)۔ اسلام اور تربیب اولاد (٦)۔ جنت کی چالیس راہیں۔ (۷)۔ علماء مبلغین اور مجاہدین کے نام (۸)۔ اسلام اور شادی (۹)۔ غیرت مند مومن باپ کے نام (۱۰)۔ اصلاح معاشرہ اور اسلام (۱۱)۔ مناجات سید احمد العلاوی (۱۲)۔ اسلامی آداب معاشرت (۱۳)۔

جہاد (۱۴)۔ نصیحتیں اور وصیتیں (۱۵) مقدس باتیں (۱۶) راہ ہدایت و عمل (۱۷)۔
اسلام اور مزدور (۱۸)۔ حالات کی تبدیلی اور وعظ و نصیحت (۱۹)۔ شادی میں رکاوٹیں
اور اسلام کی روشنی میں ان کا حل (۲۰) منتخب ریاض الصالحین (۲۱)۔ جنت کی نعمتیں
اور ان تک پہنچنے کا راستہ (۲۲)۔ دوزخ (۲۳)۔ رسول اللہ ﷺ کی پچپن وصیتیں
(۲۴)۔ عورت اور معاشرہ (۲۵)۔ غربت اور فقر و فاقہ (۲۶)۔ تواضع اور گوشہ نشینی
(۲۷)۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے پیارے نام (۲۸)۔ اطاعت والدین (۲۹)۔ دولت
اور زندگی برائے اطاعت خداوندی (۳۰)۔ مختار ترجمہ کتاب الآ ثار۔ (۳۱)۔ قلب
(۳۲)۔ دل کو موم کیجئے لالچ آرزو اور صبر و توکل (۳۳)۔ نام و نمود اور ریاکاری
خوف اور گریہ زاری وغیرہ۔

آخری ایام:۔

اس کی تفصیل حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ نے بینات رسالہ میں اس طرح فرمائی ہے۔

''مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار۔ مولانا عبدالقیوم چترالی مولانا مفتی عبدالسمیع اور مولانا بشیر احمد نقشبندی کے ہمراہ جامعہ العلوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کی گاڑی میں ڈرائیور محمد طاہر کے ساتھ جامعہ علوم اسلامیہ کی شاخ معارف العلوم چاندی چوک پاپوش نگر میں ایک میٹنگ کے سلسلہ میں تشریف لے گئے۔ مدرسہ کے سلسلہ میں کچھ لوگوں کے اعتراضات اس حد تک پہنچ گئے تھے کہ حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار کا مصالحت کے لئے جانا ضروری ہوگیا۔ وہاں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بات چیت کے بعد واپسی کے لئے روانہ ہوئے۔ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ صاحب کو دیگر اساتذہ کرام کے ساتھ مسجد اقصیٰ جمشید روڈ میں ختم قرآن کی تقریب میں شرکت کر کے دعا کرانی تھی گاڑی جب پٹیل پارہ سے گزر کر گرومندر چوک پر آئی تو اچانک ایک موٹر سائیکل سوار گاڑی کے آگے آ کر رکا، اور اس نے اتر کر ڈرائیور پر فائرنگ شروع کر

دی۔جس کی وجہ سے ڈرائیور گاڑی کو بچا کر نہ لے جا سکا،اتنے میں اچانک دونوں اطراف سے فائرنگ شروع ہوگئی،جس سے مولانا محب حبیب اللہ مختار اور مولانا مفتی عبدالسمیع موقع پر ہی شہید ہوگئے اور مولانا بشیر احمد نقشبندی زخمی ہوگئے جب کہ مولانا عبدالقیوم نیچے دبک گئے قاتلوں نے فوری طور پر آتش گیر مادہ پھینک کر گاری کو جلا دیا ۔مولانا بشیر احمد نقشبندی چونکہ اگلی سیٹ پر بیٹھے تھے انھوں نے گاری کا دروازہ کھول کر باہر چھلانگ لگا دی۔مولانا عبدالقیوم چترالی نے دومنٹ بعد جب سر اٹھا کر دیکھا تو گاڑی دھویں سے بھری ہوئی تھی اور کچھ نظر میں آرہا تھا اور گاڑی میں تپش بڑھ رہی تھی اگلا حصہ محفوظ دیکھتے ہوئے مولانا عبدالقیوم صاحب چترالی نے وہاں سے چھلانگ لگائی اور باہر نکلے تو دیکھا کہ پوری گاڑی آگ کی لپیٹ میں ہے۔اور اس سے اٹھنے والے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں اور گاڑی کے اندر کا کچھ پتہ نہیں چل رہا۔ لوگ جمع ہوئے بڑی مشکل سے دروازہ کھولا اور جلتی آگ میں گھس کر کچھ باہمت نوجوانوں نے اندر جا کر ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار اور مولانا مفتی عبدالسمیع صاحب کو نکالا تو وہ نہ صرف شہید ہو چکے تھے بلکہ ان کی نعشیں مکمل طور پر جل کر نا قابل شناخت ہو چکی تھیں۔مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار، مفتی عبدالسمیع اور ڈرائیور محمد طاہر کی نعشوں کو اسپتال لے جایا گیا۔جہاں ڈاکٹروں نے بتایا کہ ڈرائیور محمد طاہر تو صرف گولیاں لگنے سے شہید ہوئے جب کہ ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار اور مولانا مفتی عبدالسمیع گولیوں اور جلنے کی وجہ سے شہید ہوئے مولانا عبدالقیوم کے مطابق جیسے ہی گولیاں چلیں ہم نے ان سے بچنے کے لئے اپنے سروں کو نیچے کیا اور اس میں میں ایک طرف جھک گیا میرے اوپر مولانا محمد حبیب اللہ مختار جھکے اتنے میں میں نے آواز سنی۔انا للہ وانا الیہ راجعون اور دوسری مرتبہ صرف انا للہ سنائی دیا آواز بند ہوگئی۔سب سے پہلے ان کی شہادت کی خبر بی بی سی نے نشر کی۔اس طرح اقعہ کی اطلاع پوری دنیا میں ہوگئی اور دیگر ذرائع ابلاغ والوں کی طرف سے بھی یہ خبر نشر ہوئی جس سے ہر علاقے کے لوگوں کو

اس کی اطلاع ہوگی۔

تجہیز و تکفین:۔

شہادت تو پونے ایک بجے کے قریب ہوئی، پھر میتیں شام کو پانچ بجے اسپتال سے لائی گئیں پورے پاکستان سے اطلاعات آنی شروع ہوئیں کہ جنازے کا وقت دوسرے دن مقرر کیا جائے۔تاکہ دوسرے شہر والے بھی جنازے میں شرکت کرسکیں۔ لیکن مدرسہ کی انتظامیہ نے یہ بات طے کی کہ تدفین رات کو ہی کرنا مناسب ہے۔

جنازہ:۔

نماز جنازہ نو بج کر ۵۰ منٹ پر ہوا اور جنازہ پڑھانے کی سعادت حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار کے بڑے بھائی مولانا محمد احمد کے حصہ میں آئی اور جنازے میں لاتعداد افراد نے شرکت کی، جن کا شمار لگانا مشکل تھا۔ ہر جگہ آدمی ہی آدمی نظر آرہے تھے۔

تدفین:۔

آپ کو اپنے سنئیر اور محبوب استاذ محدث العصر علامہ محمد یوسف بنوریؒ اور اپنے ہم زلف حضرت مفتی احمد الرحمٰنؒ کے پہلو میں سپرد خاک کردیا گیا۔

اولاد:۔

آپ نے اپنے پیچھے چار لڑکیاں اور تین لڑکے چھوڑے۔ اللہ ان سب کو حضرت مولانا کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

حضرت مولانا سحبان محمود رحمہ اللہ علیہ

(شیخ الحدیث وناظم دارالعلوم کورنگی)

کہاں سے آئیں گے ایسے خلوص کے پیکر
زباں میں جن کی محبت کی چاشنی دیکھیں

نام: سحبان محمود بن سلطان محمود بن مشتاق احمد بن مولوی محمد یاسین مراد آبادی۔

نام کی تبدیلی:

آپ کا نام سحبانمحمود تھا مگر انتقال سے دو سال پہلے ۱۴۱۷ھ ختم بخاری کی تقریب میں آپ نے اپنا نام سحبان محمود کا اعلان فرمایا اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی۔

میرا نام سب کو معلوم ہے یعنی سبحان محمود، لیکن حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ؒ کو یہ نام پسند نہ تھا اس لئے انھوں نے میرا یہ نام تبدیل کر کے سحبان محمود رکھ دیا تھا۔ مگر جب میں نے اپنے والد صاحب سے اس کا ذکر کیا تو میرے والد صاحب نے اس کے بارے میں سکوت فرمایا۔

اپنے دستخط تو میں نے اسی وقت سے حضرت مفتی صاحب کے تجویز کردہ نام کے مطابق ہی بنالئے تھے۔ اب چونکہ والد صاحب اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ اس لئے اب میری ہمت بندھی اور میں نے سوچا کہ چونکہ اللہ کے ایک ولی نے میرا نام تبدیل کیا ہے۔ لہٰذا اس میں نیک شگون ہے۔ اس لئے اب میں آپ حضرات کے سامنے اعلان کرتا ہوں۔ کہ اب میرا نام سحبان محمود ہے لہٰذا آئندہ مجھے اسی نام سے لکھا اور پکارا جائے۔ مجھے انشاء اللہ پوری امید ہے کہ قیامت کے دن بھی یہی اعلان ہوگا سحبان محمود ولد سلطان محمود آجائے اور سیدھا جنت میں چلا جائے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ولادت:

۱۳۴۵ھ میں آپ ہندوستان کے مشہور شہر مرادآباد میں پیدا ہوئے۔

بچپن:

آپ کے والد ماجد سلطان محمود صاحب فرماتے ہیں۔ کہ سبحان محمود مادرزاد ولی تھے، آپ بچپن ہی سے دین کی طرف راغب تھے۔ اور بچپن سے ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی اتباع کرتے تھے۔ آپ کے بارے میں آپ کے بڑے بھائی عثمان محمود کہتے ہیں۔

''ہم نے ان کو بچپن ہی سے دین کی طرف راغب پایا جب ہم نے تعلیم کا آغاز کیا تو ہمارے والد مرحوم نے ہم دونوں بھائیوں کو بیٹھا کر معلوم کیا۔ کہ تم انگریزی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہو یا دینی۔ میں نے تو انگریزی تعلیم کا انتخاب کیا، مگر میرے چھوٹے بھائی سبحان محمود نے دینی تعلیم کی طرف رغبت ظاہر کی۔

اسی طرح سے آپ کے بڑے بھائی عثمان محمود صاحب آپ کے بچپن کے بارے میں مزید روشنی ڈالتےہیں۔

جس زمانے میں ہم مکتب میں قران کریم پڑھنے جاتے تھے، ایک مرتبہ ہمارے مدرسہ اور گھر کے راستہ میں ایک مرتبہ نمائش لگی۔ جس میں بغیر آواز کی متحرک فلمیں دکھائی جاتی تھیں، اور یہ فلمیں اس زمانے میں بچوں اور بڑوں کے لئے حیرت انگیز دلچسپی اور تفریح کا سامان سمجھی جاتی تھیں، اس نمائش کے باہر ان فلموں کے بڑے بڑے پوسٹر آویزاں تھے۔ مدرسہ کے تمام بچے مدرسہ آتے جاتے ان پوسٹروں کو کھڑے ہوکر دیکھا کرتے تھے صرف حافظ جی (مولانا سحبان محمود) واحد تھے جو وہاں سے گردن جھکا کر نظریں نیچی کئے قران کریم کی تلاوت کرتے ہوئے گزرتے۔ اور اپنے ہم درس ساتھیوں کو بھی منع فرماتے کہ قرآن کریم پڑھنے والوں کے لئے یہ پوسٹر

دیکھنا اور زیادہ نقصان اور گناہ کا باعث ہے۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا سبحان محمود صاحب نے اپنے صاحبزادے حسان محمود کو ایک واقعہ سنایا کہ جب میری عمر بارہ یا تیرہ سال کی تھی اور میں ایک اللہ والے، صاحب حال استاد کے پاس پڑھتا تھا ایک دن ہمارے استاد پر وجد طاری ہوا اور اسی وجد کی کیفیت میں فرمانے لگے کہ دنیا سے بزرگ ہستیاں اٹھتی جارہی ہیں پھر ان جیسا کوئی سامنے نہیں آتا۔ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ گئے تو ان کا خلا پر نہ ہوسکا۔ شیخ الہندؒ گئے تو ان جیسا کوئی نہ آیا حضرت رشید احمد گنگوہیؒ کی وفات ہوئی تو ان کی نظیر کوئی نہ آیا اس کے بعد عجیب وجد کی کفیت میں پوری جماعت کے سامنے میری پشت پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ میرا یہ بیٹا گنگوہیؒ بنے گا۔ نانوتوی بنے گا۔ شیخ الہندؒ بنے گا۔

حصول علم:

آپ نے ۱۳۵۰ میں تعلیم شروع کی، آپ کے پہلے قرآن کے استاد مولانا خدا بخش تھے۔ اس کے بعد آپ نے حفظ قرآن کے لئے مدرسہ امدادیہ مراد آباد میں داخلہ لیا۔ وہاں پر ان کے استاد حافظ عبدالخالق صاحب تھے۔ اسی مدرسہ میں آپ نے حفظ قرآن کی تکمیل فرمائی اور پھر ۱۳۵۵ھ ہی میں آپ نے ایک مسجد میں تراویح بھی سنائی۔

مدرسہ شاہی میں داخلہ:

۱۳۵۸ھ میں آپ نے مدرسہ شاہی مراد آباد میں درس نظامی میں داخلہ لے لیا، اور وہاں پر آپ کے میزان اور نحو میر کے استاد حضرت مولانا محمد شاہ تھے۔ مزید جن اساتذہ سے آپ نے مدرسہ شاہی میں حصول علم کیا ان کے اسماء گرامی یہ ہیں مدرسہ کے مہتمم اور شیخ الحدیث علامہ انصار الحق، علامہ اختر الاسلام بن شیخ الحدیث حضرت مولانا فخر الدین صاحب۔ علامہ ادیب محمد میاں صاحب، اور مولانا محمد اسماعیل

صاحب وغیرہ تھے۔

مظاہر العلوم میں داخلہ:

آپ کی تمنا یہ تھی کہ میں تکمیل درس نظامی درالعلوم دیو بند میں کروں۔مگر ددھیال والے سخت بریلوی مسلک کے پابند تھے۔اس لئے دارالعلوم دیوبند بھیجنے کے لئے خاندان والے راضی نہ ہوئے۔مگر مظاہر العلوم سہارنپور بھیجنے کے لئے خاندان والے راضی ہو گئے۔

چنانچہ آپ نے ۱۳۶۴ھ میں مظاہر العلوم میں داخلہ لے لیا اور دو سال مظاہر العلوم میں پڑھا۔

مظاہر العلوم میں آپ کے اساتذہ:

آپ نے مظاہر العلوم میں فقہ حضرت مولانا امیر احمد صاحب سے پڑھی ۔اصول فقہ حضرت مولانا زکریاؒ قدوسی گنگوہی سے، حدیث اور اصول حدیث حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب سے اور ادب و بلاغت علامہ اسعد اللہ سے، منطق میں میر زاہد، ملا جلال، ملا حسن وغیرہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری صاحب سے اور شرح عقائد خیالی حضرت مولانا منظور احمد صاحب سے پڑھی۔

ابھی تعلیم مکمل نہیں ہوئی تھی کہ پاکستان کا قیام وجود میں ہو گیا۔

پاکستان کی طرف ہجرت:

اسی دوران پاکستان بن گیا تو آپ اپنے والدین اور خاندان والوں کے ساتھ پاکستان تشریف لے آئے۔آپ کے والد صاحب خیر آباد پشاور کے ریلوے اسٹیشن کے ماسٹر بنا دیئے گئے۔اس لئے آپ کا بھی ابتداء میں قیام پشاور میں رہا۔

اور جب مولانا خیر محمد صاحبؒ نے ملتان میں مدرسہ خیر المدارس قائم کیا تو آپ نے وہاں پر ۱۳۶۸ھ میں دورہ حدیث کے لئے داخلہ لے لیا۔

خیر المدارس میں آپ کے اساتذہ:

خیر المدارس ملتان میں آپ نے کئی اکابر علماء سے استفادہ کیا۔ان میں نمایاں حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری، مفتی عبداللہ ملتانی اور حضرت مولانا عبدالشکور وغیرہ تھے۔

اور پھر آپ نے ۱۳۶۹ھ میں خیر المدارس سے درس نظامی کی تکمیل فرمائی۔

بیعت وسلوک:

آپ ابتداء میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملؒ پوری سے بیعت تھے ان کے انتقال کے بعد آپ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمہ اللہ علیہ سے بیعت ہو گئے پھر کچھ عرصہ کے بعد ہی آپ کو ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب نے خلافت سے سرفراز فرمایا۔

تدریس:

فراغت کے بعد آپ کراچی تشریف لے آئے۔اور کچھ عرصہ کے بعد ۱۳۷۱ھ میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی جس کا صدر مدرس مولانا سحبان محمود کو ہی بنایا گیا۔مگر کچھ عرصہ کے بعد جب علامہ سلیمان ندویؒ نے اس مدرسہ کو چھوڑا۔تو مولانا سحبان محمود صاحب نے بھی استعفیٰ دے دیا۔

دارالعلوم نانک واڑہ میں تدریس:

پھر مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیعؒ صاحب کے قائم کردہ مدرسہ نانک واڑہ میں تدریس شروع فرمائی۔اور جب یہ مدرسہ کورنگی میں منتقل ہوا تو مولانا سحبا نمحمود صاحب بھی وہاں پر تشریف لے گئے۔

اور وہاں پر آپ نے درس نظامی کی تقریباً تمام ہی کتابیں پڑھائیں، مگر آپ کا درس بخاریؒ بہت مشہور ہوا۔جو آپ نے ۱۳۹۸ھ میں شروع کیا اور تقریباً ۳۵ سال تک

مسلسل پڑھایا۔ جب آپ بخاری کے درس میں احکام فقہیہ اور ترجمۃ الباب پر بحث فرماتے تو ایسا لگتا کہ دریائے علم موجزن ہے سننے والا ہکا بکا رہ جاتا اور ان کی زبان کی فصاحت اور تحقیق و بیان دانی میں کھو جاتا تھا۔

آپ کی زندگی میں بہت سے نمایاں اوصاف تھے ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

پابندیٔ وقت:

آپ حیرت انگیز طور پر وقت کے پابند تھے۔ مولانا سحبان محمودؒ کی یہ خاص عادت تھی کہ کام کو اس کے وقت پر ہی کرنا ہے۔ نماز کا وقت ہوا اذان کے فوری بعد مسجد میں پہنچ جاتے۔ اور یہ معمول ایک دو سال نہیں پوری زندگی رہا اسی طرح درس دینے کا وقت جب شروع ہوتا۔ تو اپنے وقت مقرر پر درس گاہ میں پہنچ جاتے۔ اور پھر وقت کے ختم ہوتے ہی ساتھ درس گاہ سے نکل آتے۔ عمومی و خصوصی تقریبات میں بھی وقت کا خیال رکھتے، اور وہاں پہنچ کر اگر کچھ وقت ملتا تو اپنے وقت کو ذکر و تلاوت میں مشغول فرماتے۔

قرآن مجید کے ساتھ شغف:

مولانا کو قرآن مجید کے ساتھ خصوصی تعلق تھا۔ چلتے پھرتے آپ کی زبان پر قرآن جاری رہتا تھا۔ روزانہ پون گھنٹہ قرآن کریم کی تلاوت کے لئے وقف تھا۔

ایک موقعہ پر فرمایا کہ میں نے گولیمار (کراچی) کی مسجد باب السلام میں تیس سال قرآن سنایا ہے جو تراویح میں سوا پارہ پڑھنا ہوتا تھا اس کو میں دن میں ۲۴ مرتبہ پڑھتا تھا۔ اس طرح روزانہ ایک قرآن مجید پڑھتا تھا۔ رمضان کے علاوہ بھی عموماً ۱۷، ۱۸ پارہ پڑھنے کا روزانہ کا معمول تھا۔

تواضع و انکساری:

آپ کی تواضع کو دیکھ کر پہلی ملاقات میں کوئی یہ نہیں سمجھ سکتا تھا۔ کہ یہ اتنے بڑے شیخ

الحدیث ہیں اور علم کے پہاڑ ہیں۔ایک مرتبہ ایک تقریب میں تشریف لے گئے مجمع پہلے سے موجود تھا کسی نے راستہ بنانے کے لئے اشارہ کیا تو ناراض ہو گئے فرماتے تھے کہ میں ان لوگوں سے بہتر نہیں ہوں۔ بلکہ یہ سب مجھ سے افضل ہیں۔تواضع اور انکساری کے عجیب وغریب واقعات سے آپ کی زندگی بھری ہوئی ہے۔

آخری آیام:

آپ کو کچھ عرصہ سے ذیابیطس اور عارضہ قلب کی شکایات تھیں۔مگر آخری ایام میں آپ کی طبیعت بالکل ہشاش بشاش تھی۔آخری دن بھی آپ نے فجر کی نماز صف اول میں جماعت کے ساتھ پڑھی اور پھر چالیس منٹ چہل قدمی کی اور اپنے وظائف واوراد کو بھی پورا فرمایا نو بجے کے قریب اپنے دفتر انتظامیہ میں تشریف لائے اور اپنے انتظامی کاموں میں مشغول ہو گئے۔دفتر آنے سے پہلے معمولی سی سانس میں تکلیف تھی مگر پھر بعد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ڈاکٹر کو بلایا بھی گیا مگر وقت اجل کے سامنے سب بے بس نظر آتے ہیں۔تقریباً ساڑھے دس بجے ایک گھنٹہ کی اس تکلیف کے بعد آپ نے ایک جہاں سے دوسرے جہاں کا سفر طے کیا۔

وصال:

بروز ہفتہ ۲۹ ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ بمطابق ۱۷ اپریل ۱۹۹۹ء تقریباً دس بجے ۴۷ سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نماز جنازہ:

آپ کی نماز جنازہ دار العلوم کورنگی کے ہی احاطہ میں عید گاہ کے میدان میں ادا کی گئی یہ وسیع عریض میدان لوگوں کی کثرت کی وجہ سے اس دن تنگی محسوس کر رہا تھا اور اتنا بڑا مجمع بہت کم کسی کے جنازے میں نظر آتا ہے۔اور نماز جنازہ پڑھانے کی

سعادت دارالعلوم کورنگی کے مہتمم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی ابن مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے حصے میں آئی۔

تدفین:

آپ کی تدفین بھی دارالعلوم کورنگی کے احاطہ میں واقع قبرستان میں ہوئی۔ جس میں متعدد علماء ومشائخ آرام فرما ہیں۔

حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

(خلیفہ اجل مولانا ابوالحسن علی ندویؒ)

سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

فضل حق تیری لحد پر رحمت افشانی کرے

نام: عبدالرشید والد کا نام: منشی محمد عبدالرحیم بن محمد بخش بن بلاقی بن چراغ محمد بن ہمت تھا۔

ولادت باسعادت:

آپ کی ولادت باسعادت ۱۸ ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ مطابق ۲۹ ستمبر 1915ء کو ہوئی۔

پرورش:

مولانا عبدالرشید صاحبؒ خود فرماتے ہیں کہ میرے چچا بزرگوار حافظ عبدالکریم صاحب کے یہاں کوئی اولاد نہیں تھی اور ان کی اہلیہ میری حقیقی خالہ تھیں انھوں نے مجھ کو ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی اپنی آغوش تربیت میں لے لیا پھر ان کے یہاں ہی پرورش ہوئی۔

تحصیل علوم:

جب عمر چار سال چار دن کی ہوئی تو حافظ عبدالکریم نے بہت زیادہ اہتمام کے ساتھ بسم اللہ کروائی، بغدادی قاعدہ، قرآن مجید اور ابتداء تعلیم جس میں مولوی اسماعیل، میرٹھی کی اردو کی چوتھی کتاب املاء اور خوش خطی وغیرہ سکھایا اس کے بعد ج

پور میں مدرسہ انوار محمدی کے نام سے مکتب میں گلزار دبستان مدینہ حسنینی کر چند کتابیں پڑھیں۔ ۸ سال کی عمر میں اب مجھ کو بیرون اجمیری دروازہ پر مدرسہ تعلیم الاسلام میں داخل ہوئے جو گھر سے ایک دو میل کے فاصلہ پر تھا۔

منشی کا امتحان:

درحقیقت مدرسہ معلم السلام میں منشی فاضل کے امتحان کی تیاری کرنے کے لئے گئے تھے۔ وہاں پر منشی کے امتحان کیت یاری کرنے کے لئے وہاں کے اساتذہ ارشاد علی۔ منشی ستار علی منشی عبدالقیوم ناطق اور منشی سعید حسین وغیرہ سے منشی فاضل کی کتابیں پڑھیں مگر تیاری پوری نہ ہونے کی وجہ سے منشی پنجاب میں ایک پرچہ میں ناکام ہوگئے۔

عربی تعلیم:

۱۹۲۷ء جون کے مہینے سے والدہ کے اصرار پر عربی تعلیم شروع ہوئی۔ ابتدائی کتا میزان منشعب پڑھی اور پھر منشی کے ایک پرچہ میں جو ناکام ہوگئے تھے۔ اس کا امتحان بھی دیا جس میں کامیابی حاصل ہوئی۔

۱۹۲۸ء ھ ماہ جون سے دوبارہ مدرسۂ تعلیم الاسلام جے پور میں داخلہ لیا اور مشہور عالم دین مولانا قدیر بخش بدایونی سے اکثر درس نظام کی کتابیں پڑھی۔ اور پھر مولوی عالم، مولوی فاضل وغیرہ کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے دیا اور سب ہی کامیابی ہوگئے۔

ندوہ العلماء میں داخلہ:

۱۹۳۴ء میں ندوۃ العلماء لکھنو میں داخلہ لیا اس وقت وہاں پر مشہور شخصیت

حضرت شیخ الحدیث علامہ حیدر حسن خان ٹونکیؒ کا طوطی بول رہا تھا ان کی خدمت میں دو سال رہ کر خوب استفادہ کیا اور بخاری شریف ترمذی شریف یہ کتابیں قراءتاً وسماعاً اول سے آخر تک ان سے مکمل پڑھیں اور ان سے صحیح مسلم، سنن ابی داؤد اور مسند امام احمدؒ کا سماع متفرق جگہ سے کیا۔

ان کے علاوہ مقدمہ صحیح مسلم خوب اہتمام کے ساتھ شیخ علامہ حیدر حسن خان ٹونکیؒ سے پڑھا اس کے علاوہ علم ہیئت میں سبع شداد مکمل اور تفسیر میں جلالین اور میبذی کے کچھ اسباق میں پڑھے۔

غرض یہ کہ مولانا عبدالرشید کو علامہ حیدر علی ٹونکیؒ سے خوب استفادہ کا موقعہ ملا اور اس نادر سنہری موقعہ سے مولانا عبدالرشید نے بھی خوب فائدہ اٹھایا اور کوئی صفحہ ضائع نہ ہونے دیا۔

۱۹۳۸ء میں مولانا صدر حسن خان کے بھائی علامہ محمد حسن ٹونکی مشہور عالم دین کے پاس حیدر آباد دکن پہنچے اور چار سال ان کی خدمت میں رہ کر ان کے تصنیفی کام میں ہاتھ بٹایا جو اس وقت معجم المصنفین کی تصنیف میں مشغول تھے جس کے بارے میں ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں۔

''ان کی کتاب معجم المصنفین ایک تصنیفی کارنامہ ہے کہ ایک روداد کی حیثیت سے عالی ہمتی وسعت النظر کے بارے اور محنت شاقہ کا ایک شاہکار ہے یہ کتاب ۶ جلدوں اور بیس ہزار صفحات پر مشتمل اور ہزار اشخاص کے تراجم پر حاوی ہے افسوس ہے کہ اس عظیم کتاب کے صرف چار حصے مملکت آصفیہ کی توجہ سے شائع ہو سکے۔ اس کے علاوہ ان کی دوسری کتابیں بھی ہیں۔ (پرانے چراغ ۲۰۰/۸)

غرض حال مولانا عبدالرشید نعمانی نے علامہ محمود حسن صاحب کی خدمت میں چار سال بہت محبت اور توجہ سے گزارے جس سے ان کو علم حاصل کرنے کو خوب موقعہ

ملا اور تاریخی علوم اور مصنفین اسلام سے خوب روشناس ہوئے۔

تدریس:

۱۹۴۷ء میں جب پاکستان بنا تو ہجرت کر کے پاکستان تشریف لے آئے۔ اس وقت کے سب سے زیادہ مشہور مدرسہ مدرسہ دار العلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار میں دو سال تدریس کے فرائض انجام دیے اور فقہ، اصول فقہ، نحو اور منطق کے اسباق پڑھائے۔

۱۹۵۵ء میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں تشریف لے آئے اور یہاں پر بھی فقہ، حدیث اور اصول حدیث وغیرہ کے اسباق پڑھائے۔

۱۹۶۳ء ستمبر میں جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں شعبہ اسلامیات کے صدر کی حیثیت اختیار کر گئے۔ وہاں پر بھی حدیث و اصول حدیث کے اسباق پڑھائے۔

اور پھر اس کے بعد دوبارہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں شعبہ تخصص فی الحدیث کے نگران بنے اور وہاں کے شعبہ کے منتہی طلباء کو استفادہ کا خوب مواقع فراہم کیا بے شمار علماء نے آپ سے استفادہ کیا۔ اس کے چند سال بعد مدرسہ عائشہ للبنات میں شیخ الحدیث رہے۔ اور پھر آخری ایام میں اپنے بیٹے مولانا پروفیسر عبدالشہید کے پاس گزارے فن رجال جس میں حدیث کے راویوں کے حالات سے بحث ہوتی ہے یہ علم حدیث کا آدھا علم مانا جاتا ہے اس کے جاننے والے اس وقت بہت ہی کم ہیں مگر اللہ نے حضرت مولانا کو اس فن میں کمال عطا فرمایا ہوا تھا اس میں فن میں ان کے مقابل کا کوئی شخص نظر نہیں آیا۔

بیعت و سلوک:

ابتداًء آپ نے استادِ محترم علامہ حیدر حسن خانؒ سے بیعت ہوئے جو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلیفہ تھے اس کے بعد آپ نے حضرت مولانا ابوالحسن علی

ندویؒ سے رجوع کیا اور پھر انھوں نے آپ کو خلافت بھی عطاء فرمائی۔

اخلاق وعادات:

تقویٰ، علم، فضل، تواضع، عجز وانکساری اور سادگی میں ان کے ہم پلہ بہت ہی کم علماء نظر آئیں گے۔ آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ سراپا علم وادب تھے جس مجلس میں بھی تشریف لے جاتے وہاں پر مولانا ہی چھائے ہوئے ہوتے۔

سلام کرنے کی بہت عادت تھی کہ سامنے کوئی چھوٹا ہو یا بڑا خود ہی اس کو سلام کرتے اور اس سے اس طرح ملتے کہ تمام حجاب ختم ہو جاتے اور وہ یہ سمجھتا کہ حضرت مولانا مجھ کو بہت عرصہ سے جانتے ہیں آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنی زندگی کا کوئی لمحہ ضائع ہونے نہیں دیا خود بھی خوب کام کرتے اور طلباء سے بھی کام لینے کا ان کو ملکہ حاصل تھا۔

فقہ حنفی سے خاص شغف:

اس سلسلہ میں مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں حضرت کو فقہ حنفی سے خاص عشق وعقیدت اور والہانہ محبت تھی۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے عاشق صادق اور ان کے مسلک کے داعی منار تھے حضرت امام ابوحنیفہؒ پر ان کے معاصرین یا اصاغر کی طرف سے ناروا زیادتیوں پر شکایت فرماتے اور اور بعض اوقات یہ شکایت تلخی کا رنگ اختیار کر لیتی مگر اس سب میں ادب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹتا۔

تصانیف:

آپ کی متعدد تصانیف ہیں۔ آپ نے جس پر بھی قلم اٹھایا اس کو تکمیل تک پہنچا دیا اور ان کی تصنیفات کو جناب مظفر لطیف صاحب مقالات نعمانی کے نام سے شائع کر رہے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) لغات القرآ (اردو) یہ کتابیں آپ نے ۱۹۴۲ء میں جب ندوۃ المصنفین میں تھے وہاں پر لکھی جو چار جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔

(۲) امام ابن ماجہ اور علم حدیث (اردو) اس میں صرف امام ابن ماجہ کے حالات ہیں علم حدیث کے طالب علم کو ان کے بارے میں نادر معلومات ملتی ہیں۔

(۳) ماتمس الیہ الحاجۃ لمن طالع سنن ابن ماجہ (عربی) یہ عموماً سنن اس جاجہ میں مقدمہ کے طور سے چھپی ہوئی ہے یہ محنت حدیث تاریخ حدیث ابن ماجہ کے حالات اوران کے سنن کے تعارف پر مشتمل ہے۔

(۴) التعلیمات علی ذب ذبابات الدراسات (عربی) دو ضخیم جلدوں میں سندھی ادبی بورڈ سے چھپ چکی ہے۔ اس کے دراسات کے مباحث پر تنقید کے تقریباً سو صفحے کا شروع میں مقدمہ ہے اس میں ملا حسین اوران کی کتاب دراسات کا تعارف ہے۔

اس کے علاوہ التعلیق القدیم علی مقدمہ کتاب التعلیم علامہ سعود بن شیبہ کی بہت بہترین کتاب ہے جو علامہ جوہری کی فضیت العلق ابی الحق اور امام غزالی کی المنقول کے جواب میں ہے۔ التعلیق القدیم اس کا نہایت بہترین مفصل و مدلل حاشیہ ہے۔

آخری ایام

آخری ایام میں آپ کے اپنے صاحبزادے مولانا پروفیسر عبدالشہید جو کراچی یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں ان کے پاس گزارے اور وہاں ہی جمعرات ۲۹۔ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۲ اگست ۱۹۹۹ء صبح دس بج کر پندرہ منٹ پر جب کہ عمر تقریباً ۸۵ سال کی تھی انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کرامت:۔

جنازے میں شرکت کرنے والوں نے اس بات کا مشاہدہ کیا کہ جب آپ کا انتقال ہوا تو آپ کا چہرہ مبارک نہایت ہی خوب صورت ہوا اور چمکنے لگا۔ جس نے دیکھا وہ دیکھتا ہی رہ گیا۔

تدفین:۔

چونکہ حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب کا انتقال کراچی یونیورسٹی میں اپنے صاحبزادے پروفیسر عبدالشہید کے گھر میں ہوا تھا چنانچہ مشورہ ہوا کہ یونیورسٹی کے قبرستان ہی میں تدفین ہو۔ یونیورسٹی کا قبرستان ہی آخری آرامگاہ بنا۔ (۱)

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار

حضرت مولانا محمد بدیع الزمان رحمہ اللہ

(استاد الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوریؒ ٹاؤن)

جان کر منجملہ خاصان میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

نام ونسب نامہ: محمد بدیع الزمان والد کا نام: علامہ قاضی غلام رسولؒ۔

ولادت باسعادت:

آپ کی ولادت باسعادت ۱۹۳۱ء میں ہوئی۔ آپ کا آبائی علاقہ اٹک ہے۔

حصول علوم:

قرآن مجید کی ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں رحمٰن آباد تلہ گنگ ضلع چکوال میں ہوئی۔ اس کے بعد درس نظامی کی کئی کتابیں اپنے والد محترم حضرت علامہ قاضی غلام رسولؒ سے پڑھیں جو ایک کامیاب مدرس اور عالم دین تھے۔

مزید تعلیم کے لئے تلہ گنگ وان بچھرا ضلع میاں والی میں اس وقت کے مشہور عالم دین جو منقولات میں امام مانے جاتے تھے جن کو لوگ بابا انی والا کہتے تھے۔ حصول علم کا شوق حضرت مولانا کو ان کے پاس لے گیا۔

ٹنڈو الہ یار مدرسہ میں داخلہ:

۱۳۷۰ھ میں دورہ حدیث کے لئے اس دور کی سب سے زیادہ مشہور و معروف درس گاہ جس میں تمام اکابرین پاکستان اس وقت میں جمع تھے جو اس وقت دیوبند ثانی کی حیثیت رکھتا تھا اور اس میں اس وقت محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوریؒ اور حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ وغیرہ موجود تھے ان علماء سے احادیث پڑھیں اور سند فراغت حاصل کی۔

حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ سے خصوصی تعلق:

حضرت مولانا بدیع الزمان کو اپنے استادوں میں سے سب سے زیادہ حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ سے بے حد نسبت تھی اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ بھی آپ کے اندر خداداد صلاحیت اور استعداد دیکھتے تھے اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب ٹنڈوالہ یار سے فراغت ہو رہی تھی اور مولانا بدیع الزمان صاحب کو دارالعلوم ٹنڈوالہ یار سے سند جاری کی جارہی تھی تو اس موقعہ پر مولانا سید محمد یوسف بنوری نے ان کی سند پر خصوصی طور پر یہ نوٹ بھی لکھا۔

"قرأ عليَّ صاحب هذه الشهادة النصف الاخر من صحيح البخاری و سنن ابی دائود والمؤطین و شطرا من كتاب مسلم و شيئا من سنن النسائی وابن ماجه حين كنت مدرسا هناك والان نزولا على رغبة اوقع على هذه الشهادة بالا شتغال بكتب السنة مطالعتا و دراستا مع الزام الشروط المعتبرة عند سلفنا المحدثين واسئل الله التوفيق والتصديد له والنفسی فی حياتی.

والسلام

كتبه محمد يوسف بنوری ۵ رمضان ۱۳۷۴ء"

عموماً حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ تقاریر کے لئے مدرسہ سے بہت کم تشریف لے جاتے تھے مگر جب ایک مرتبہ حضرت مولانا بدیع الزمانؒ نے حضرت سے رمضان شریف میں ختم قرآن کے موقعہ پر بیان کرنے کے لئے عرض کیا تو بہت ہی زیادہ خوشی سے قبول فرمالیا اور جب بیان کے بعد سواری کی آمد میں کچھ تاخیر ہوئی تو حضرت مولانا پیدل ہی چل کر مدرسہ پہنچ گئے۔

تدریس:

جب مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے مدرسہ کھولنے کی نیت کی تو اپنے مدرسہ کے لئے جن اساتذہ کا انتخاب کیا ان اساتذہ میں سے ایک حضرت مولانا بدیع الزماں بھی تھے۔ یہ مدرسہ ابتداء مسجد باب الاسلام (برنس روڈ) میں بنا اور پھر نانک واڑہ میں منتقل ہو گیا اور پھر جگہ کی تنگی کی وجہ سے دارالعلوم کورنگی میں آپ نے حضرت مفتی محمد شفیعؒ کے معیت میں دس سال گزارے۔

اسی دور میں حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مہتمم دارالعلوم کراچی، شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی اور مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ سابق مہتمم بنوریؒ ٹاؤن کراچی وغیرہ احباب نے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔

اس کے بعد ۱۳۸۶ھ میں آپ بنوریؒ ٹاؤن تشریف لے آئے اور پھر یہاں پر ابتداء سے انتہا تک کی تقریباً تمام ہی کتابیں پڑھائیں۔ بنوریؒ ٹاؤن میں آپ نے ۲۸، ۲۹ سال تک اسباق پڑھائے اور صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ دوسرے بھی کئی ممالک کے طلباء آپ سے مستفید ہوئے۔ اور بے شمار شاگرد آپ کے صرف پاکستان میں نہیں بلکہ دنیا کے مختلف ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں۔

امامت وخطابت:

جس زمانے میں آپ دارالعلوم نانک واڑہ میں پڑھاتے تھے اسی عرصہ میں پی۔ ای۔ سی ایچ ایس سوسائٹی میں مسجد باب دارالسلام میں ایک امام اور خطیب کی ضرورت تھی۔ علاقہ بہت اہم ہے اس لئے کسی اہل بصیرت امام کی ضرورت تھی۔ اس مسجد کا متولی حاجی رفعت احمد خان تھے ان کا تعلق حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ مفتی اعظم پاکستان سے بھی تھا۔ ان سے انہوں نے مشورہ کیا تو کافی مشورہ کے بعد حضرت مولانا بدیع الزمان صاحبؒ کا نام آیا۔ ان کو سب نے ہی پسند کر لیا۔ آپ کو مفتی محمد

شفیع نور اللہ مرقدہ نے بلایا اور یوں فرمایا۔

''میرا اور میرے مدرسے کا فائدہ تو اس میں ہے کہ آپ کو مدرسہ سے جانے کی ہرگز ہرگز اجازت نہ دی جائے مگر دیانت و امانت کا داعیہ اور عوام کی خیر خواہی کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ کو امامت و خطابت سے روک کر امت مسلمہ کو آپ کے فیوض و برکات سے محروم نہ رکھا جائے۔ اس لئے میں اپنے مدرسہ کے مفاد پر عوام کے نفع کو ترجیح دیتا ہوں۔''

اس کے بعد آپ کا مسجد دارالسلام میں تقرر ہوا اور پھر آپ نے وہاں کے لوگوں پر شب و روز محنت فرمائی اور آپ تاحیات اس مسجد کے امام اور خطیب رہے۔ اب الحمدللہ ان کے صاحبزادے مولانا عطاء الرحمٰن صاحب اس مسجد کے امام و خطیب ہیں۔

تدریس کا انداز:

اللہ جل شانہ نے حضرت مولانا کو بہت ہی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ وقار، حلم اور ذکاوت کی صفات سے بھی آراستہ تھے آپ کی تدریس کا طریقہ اتنا سہل، انوکھا اور دل چسپ تھا کہ ہر ایک درجہ والوں کی تمنا یہ ہوتی کہ حضرت مولانا کے پاس ہمارے درجے کی کوئی نہ کوئی کتاب ضرور ہو۔

مشکل مقام کو چٹکیوں میں حل فرما دیتے۔ عام طور سے دستور ہے کہ جب کوئی اہم مقام یا مشکل مقام آتا ہے تو استاد پہلے سے متوجہ کر دیتے ہیں کہ مشکل مقام ہے ذرا توجہ کریں بخلاف مولانا کے جب ایسا کوئی مقام آتا تو وہ اس سے پہلے کوئی لطیفہ وغیرہ سناتے اور اس مقام کی کوئی اہمیت بتائے بغیر باتوں باتوں میں اس مسئلہ کو سمجھا دیتے جب سمجھ میں آ جاتا تو پھر فرماتے کہ یہ مقام تو مشکل مقامات میں سے تھا۔

درس کے دوران آپ موقعہ کی مناسبت سے واقعات اور لطائف بھی سناتے مگر کمال

یہ تھا کہ طلباء کو آپ ہنساتے تھے مگر خود ہنسنے کے بجائے اتباع سنت میں صرف مسکرا دیتے۔

مگر جب کبھی طلباء کو رلاتے تو اس موقعہ پر خود بھی روتے تھے۔ طلباء کو کتاب سمجھانے کے ساتھ ساتھ ان کی اصلاح کی بھی بہت فکر فرماتے۔ عموماً جمعرات کے دن کبھی درمیان ہفتہ بھی سبق پڑھانے کے بعد اصلاحی بات کرتے یا کبھی دعا کے آداب وغیرہ یاد کرتے وقت اور پھر وقتاً فوقتاً اس کو معلوم بھی فرماتے یہاں تک کہ جب فراغت کے بعد ملنے کے لئے علماء جاتے تو ان سے بھی پوچھتے کہ میں نے جو فلاں دعا یا فلاں دورد شریف یاد کروایا تھا وہ یاد ہے یا نہیں؟ یاد ہے تو سناؤ۔

اتباع سنت:

آپ کے اندر اتباع سنت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور آخرت کا غم ہمہ وقت سوار رہتا تھا۔

آپ کی چال ڈھال، رفتار وگفتار سب کچھ عین سنت کے مطابق تھا۔

نماز میں جب آخرت کی اور جہنم کے عذاب کی کوئی آیت آتی تو رو پڑتے۔ ہر معاملہ میں سنت معلوم کرنے کے لئے ان کو طلباء دیکھتے تھے اس عشق رسول کی وجہ سے ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بڑی کثرت سے ہوتی تھی۔

اخلاق وعادات:

آپ کی زندگی بہت زیادہ سادہ تھی۔ مسجد سے مدرسہ خود ہی سائیکل پر تشریف لے جاتے تھے۔ اور جب ان کے صاحبزادے نے اسکوٹر لے لی تو پھر ان کے پیچھے اسکوٹر پر بیٹھ کر تشریف لے جاتے۔

ان کے اندر نام کی کوئی چیز نہیں تھی طمع ولالچ وغیرہ۔

معمولی سے خرچ پر اپنی زندگی گزار دی، اگرچہ ان کو اور جگہ سے بہت زیادہ

تنخواہ کی پیش کشیں بھی ہوئیں مگر انھوں نے ان سب کو رد فرما دیا۔ سبق کے پڑھانے کا بہت زیادہ اہتمام ہوتا بیماری، وغیرہ ان کے نزدیک عذر نہیں ہوتا۔

اور سبق کا گھنٹہ ہوتا تو درس گاہ میں موجود ہوتے۔ اور جب گھنٹہ بجتا تو درس گاہ سے باہر تشریف لے آتے۔

ادب کا حال یہ تھا کہ ہمیشہ اس مقام پر جہاں پر حضرت علامہ بنوریؒ درس دیتے تھے، اس پر بیٹھ کر سبق نہیں پڑھاتے۔

کافی عرصہ تک آپ کو حضرت مولانا بنوریؒ نے مدرسہ کی نظامت پر بھی فائز کیا ہوا تھا بعد میں حضرت مولانا نے خود ہی عذر کی وجہ سے اس نظامت کے کام کو چھوڑ دیا تھا۔

آخری ایام:

۱۹۷۹ء میں حضرت مولانا پر فالج کا اثر ہوا۔ اس کا علاج ملک کے اچھے اچھے ڈاکٹروں اور حکیموں سے کروایا۔ یہاں تک کہ کوئی افاقہ نہیں ہوا بلکہ کوئی صحیح تشخیص ہی نہ ہو سکی۔

اس کے بعد لوگوں کے اصرار پر علاج کے سلسلہ میں باہر کے ملکوں میں بھی تشریف لے گئے۔

تین مرتبہ جنوبی افریقہ، دو بار ہندوستان، ایک مرتبہ انگلینڈ، اسی طرح ری یونین فرانس، مگر کوئی صحیح تشخیص سامنے نہ آ سکی۔ بس ایسا ہی ہوا۔

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

آپ دوا کا استعمال فرماتے تو مرض کچھ صحیح ہو جاتا دوائی کا اثر جیسے ختم ہوتا تو مرض دوبارہ ابھر آتا مگر پھر ایسا وقت بھی آیا کہ اس دوائی سے بھی افاقہ نہیں ہوتا۔

آپ پر بیماری تو ضرور تھی، مگر ذہین دماغ آخری وقت تک بالکل صحیح رہا۔ کوئی بھی اہل علم جاتا تو اس کو کسی مسئلہ میں کوئی حل سمجھ میں نہ آ رہا ہوتا تو حضرت اس کے

مسئلہ کا تشفی بخش جواب دیتے۔ آخری وقت تک لوگوں کو اپنے علم سے مستفید فرماتے رہے۔

اس طویل بیماری کے عرصہ میں بھی جب کوئی طبیعت کا حال معلوم کرتا تو زبان پر شکر کے الفاظ ہی ہوتے۔ اور ہمیشہ اپنی تقدیر پر راضی رہے اور حال پوچھنے والے کے جواب میں ہمیشہ الحمداللہ ہی پڑھاتے رہے۔

باقیات صالحات:

آپ کے ہزاروں شاگرد جو پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور خوب کام کر رہے ہیں یہ سب مولانا کا صدقہ جاریہ ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا کے تین صاحبزادے ہیں اور بحمداللہ تینوں ہی حافظ قاری و عالم ہیں۔ (۱) مولانا سعید الرحمٰن، (۲) مولانا عطاء الرحمٰن، (۳) مولانا انور الرحمٰن ان میں سے اول دو تو علامہ بنوری ٹاؤن کے فاضل ہیں اور تیسرے احسن العلوم سے فارغ التحصیل ہیں اسی طرح چار صاحبزادیاں ہیں ان میں سے بھی دو عالمہ فاضلہ ہیں۔

انتقال:

جمعرات کے دن آپ کا وصال ہوا اور دوسرے دن جمعہ کی نماز کے بعد آپ کا جنازہ آپ ہی کی مسجد میں جس میں آپ نے عرصہ دراز تک امامت وخطابت فرمائی تھی پڑھایا گیا جنازے میں پورے شہر سے عوام وخواص کا بڑا مجمع تھا اور سب ہی کی آنکھیں اشکبار تھیں اور ہر ایک حضرت مولانا کے اوصاف بیان کر رہا تھا۔

شکریہ اے قبر تک پہنچانے والو شکریہ
اب اکیلے ہی چلے جائینگے اس منزل سے ہم

تدفین:

آپ کی تدفین دارالعلوم کراچی کے قبرستان میں ہوئی۔ جس میں متعدد علماء و مشائخ مدفون ہیں۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ

(خلیفہ اجل حضرت مولانا عبدالغنی پھولپوریؒ)

اس کا نام حشر تک تاریخ میں تابندہ ہے

اس مقدس بزم میں تابندہ درخشندہ ہے

نام: رشید احمد ۔ ۔ والد کا نام: مولانا محمد سلیم صاحب

وطن مالوف مشرقی پنجاب کا مشہور شہر لدھیانہ ہے۔

ولادت باسعادت:

۳ صفر ۱۳۴۱ھ مطابق ۲۶ ستمبر ۱۹۲۲ء بروز منگل کو آپ کی ولادت ہوئی۔

تحصیل علوم:۔

آپ کے والد صاحب بذات خود عالم تھے۔ اس لئے جب آپ نے بولنا شروع کیا۔ تو سب سے پہلے یہ بول یاد کروائے گئے۔

(۱) آپ کس کے بندے ہیں؟ ________ اللہ کے

(۲) آپ کس کے امتی ہیں؟ ________ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

(۳) آپ کس کی ملت ہیں؟ ________ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی

(۴) آپ کا دین کیا ہے؟ ________ اسلام

پانچ سال کی عمر میں آپ کو قرآن مجید اور نماز وغیرہ کی تعلیم دی گئی اور ایک سرکاری پرائمری اسکول میں داخل کروایا گیا اس اسکول میں آپ نے چوتھی جماعت تک کی تعلیم حاصل کی۔ جس میں ہمیشہ آپ ممتاز (فرسٹ) آتے رہے۔

اس کے بعد ملتان کے قریب گھوٹہ شریف کے مدرسہ میں اپنے بھائیوں کے ساتھ داخلہ لیا وہاں پر فارسی وغیرہ اور چند ابتدائی کتابیں پڑھیں ۱۳۵۳ کے بعد آپ

تحصیل خانیوال کے قریب جہانگیر آباد کے ایک قصبہ جو وٹو والا کے نام سے مشہور ہے وہاں داخل ہوئے۔ وہاں پر اپنے بھائی مولانا محمد خلیل صاحبؒ سے گلستان اور بوستان پڑھی اور مولانا سلطان محمد سے درس نظامی کی کتب میں سے عربی صرف ونحو کی کتابیں میزان الصرف، منشعب قانونچہ کھلوالی (پنجابی) اور نحو میر وغیرہ پڑھیں۔

۱۳۵۴ھ بمطابق 1955 آپ نے گکھڑ ضلع گوجرانوالہ میں گزرا اور وہاں تعلیم حاصل کی۔

۱۳۵۵ھ میں جھنگ شہر کے ایک مدرسہ میں تشریف لے گئے وہاں پر آپ نے پھر نور الانوار تک کی کتابیں پڑھیں۔

۱۳۵۷ھ میں آپ کے بہنوئی مولانا محمود احمد جامعہ دار الہدیٰ ٹھیڑی میں مدرس ہو گئے تو آپ نے بھی ٹھیڑی کے مدرسہ میں داخلہ لے لیا۔ یہاں پر آپ نے مختصر المعانی میر قطبی اور اقلیدس وغیرہ کتابیں پڑھیں۔

۱۳۵۸ء میں آپ کے بھائی مولانا محمد خلیل صاحب ڈابھیل سے فارغ ہو کر تشریف لائے اور وہ اور بہنوئی مولانا محمد احمد دونوں پیر جھنڈو میں مدرس ہو گئے تو مفتی صاحبؒ بھی اپنے بھائی اور بہنوئی کے ساتھ پیر جھنڈو تشریف لے گئے۔

۱۳۵۹ء میں حضرت مفتی صاحبؒ کے بھائی اور بہنوئی درگاہ شریف پیر جھنڈو جدید کے مدرسہ میں مدرس ہوئے تو مفتی صاحب بھی ان کے ساتھ یہاں تشریف لے آئے اور یہاں پر سلم، شرح عقائد، خیالی، بیضاوی شریف، وغیرہ پڑھیں۔

۱۳۵۹ھ میں معقولات پڑھنے کے لئے انھی شریف ضلع گجرات پنجاب تشریف لے گئے وہاں پر اس وقت مولانا ولی اللہ ہوئے تھے۔ ان سے آپ نے تقریباً ۳۰ معقولات کی کتابیں پڑھیں۔ ان میں سے چند کتابیں یہ ہیں مثلاً ملا جلال، قاضی مبارک، شمس بازغہ، شرح چغمینی۔ مسلم الثبوت اور توضیح وغیرہ۔

۱۳۶۰ھ میں دار العلوم دیو بند میں داخلہ لیا اور وہاں پر آپ نے کتب احادیث

مندرجہ ذیل اساتذہ سے پڑھیں۔

صحیح بخاری وسنن ترمذی:

یہ دونوں کتابیں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے پڑھیں مگر جب حضرت مدنیؒ کو گرفتار کرلیا گیا پھر مولانا اعزاز علیؒ نے ان کتابوں کی تکمیل کروائی۔

صحیح مسلم:

مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ

شمائل ترمذیؒ وسنن ابوداوٗدؒ

مولانا اعزاز علی صاحبؒ سے پڑھیں

سنن ابن ماجہ	مولانا مفتی ریاض الدینؒ سے پڑھی،
سنن نسائی	حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ نافع سے پڑھی
طحاوی	مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے پڑھی
موطا امام محمد	مولانا ظہور احمد صاحبؒ سے پڑھی

اسی سال آپ نے دورہ حدیث کے ساتھ ساتھ کتب تجوید میں سے فوائد مکیہ اور جنوری، قاری عزیز احمدؒ سے اور خلاصۃ البیان قاری حفظ الرحمٰنؒ سے پڑھیں۔

فراغت کے بعد آپ نے اپنے آپ کو اشاعت دین اور خدمت دین کے لئے وقف کرلیا۔ آپ کے استادوں نے بھی آپ کو بڑی دعائیں دیں۔

سب سے پہلی آپ کی تصنیف تسہیل المیراث چھپی یہ آپ نے تقریباً ۲۰ سال کی عمر میں لکھی۔ اس کی تقریظ میں آپ کے محبوب استاد حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ فرماتے ہیں۔

حامداً ومصلیاً ومسلماً۔

امابعد۔ میں نے اپنے دوست مولانا مولوی رشید احمد لدھیانوی کی بے نظیر

تصنیف تسہیل المیر اث دیکھی اور غور سے دیکھی کتاب مذکور کی افادیت میں تسہیل فہم میں، مسائل کی تحقیق میں کوئی کمی نہیں بلکہ اگر اہل علم حضرت غور فرمائیں گے تو ان کو معلوم ہوگا کہ فرائض کے بعض دقیق مسائل اس وضاحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں کہ انسان متحیر ہو جاتا ہے اس سے زیادہ خوبی یہ ہے کہ اس میں رطب ویابس کی بھرتی نہیں ہے۔ مسائل واحکام مسائل کی پوری تحقیق کی ہے اور اقوال محققہ سے کتاب مذکورہ کو محلی ومزین کیا گیا ہے۔ میں دعا گو ہوں کہ منعم حقیقی مصنف علام کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ اسی قسم کے علمی خزانے آئندہ بھی اہل علم کے سامنے رکھیں۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز محمد اعزاز علی امروہوی مراد آبادی ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ۔

تدریس:

مدرسہ مدینۃ العلوم بھینڈو میں تدریس:

۱۳۶۲ میں آپ نے مدرسہ مدینۃ العلوم بھینڈو جو حیدر آباد سندھ کے ساتھ واقع ہے۔ یہاں پر آپ نے تدریس کی۔ اور دو سال کے بعد آپ اپنی صلاحیتوں سے مدرسہ کے صدر مدرس بن گئے اور ۱۳۹۴ء میں آپ نے وہاں پر صحیح بخاری شریف اور دوسری بعض احادیث کی کتابیں پڑھائیں۔ ساتھ میں افتاء کا کام بھی کرتے رہے۔

۱۳۷۰ء کی ابتداء میں آپ نے اپنے والد محترم کے حکم سے یہ مدرسہ چھوڑ دیا اور خیرپور اپنے والد محترم کے پاس آ گئے۔

جامعہ دینیہ درا الہدیٰ ٹھیڑی میں تدریس:

۱۳۷۰ھ کے آخر میں آپ جامعہ دینیہ دار الہدیٰ ٹھیڑھی میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے تشریف لائے اس کے ساتھ میں افتاء کا کام بھی فرماتے۔ یہاں پر آپ

۱۳۷۶ھ تک رہے۔

دارالعلوم کورنگی میں آمد:

۱۳۷۶ھ میں آپ کو مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے دارالعلوم کورنگی میں بخاری شریف پڑھانے کے لئے بلایا آپ نے اپنے استاد محترم کی بات پر لبیک کہا اور دارالعلوم تشریف لے آئے یہاں پر آپ نے ۱۳۷۶ھ سے ۱۳۸۳ھ تک خدمت انجام دی۔

بیعت وسلوک:

ابتداء میں آپ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ اور پھر ان کے وصال کے بعد آپ حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور جب سلطان العارفین حضرت مولانا عبدالغنی پھولپوریؒ کراچی میں مستقل مقیم ہوگئے تو آپ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور پھر ایک دن حضرت مولانا عبدالغنیؒ نے آپ کو خلافت سے بھی نوازا۔

اس کے بعد مفتی رشید احمد صاحبؒ کی مجلس باقاعدہ روزانہ عصر کے بعد اپنی مسجد میں ہوتی تھی جس سے ہزاروں لوگوں کو توبہ کی توفیق ملی اور ان کی زندگیوں کا رخ بھی تبدیل ہوا۔

فقہ کے ساتھ خصوصی دلچسپی:

فقہ سے آپ کو بے حد تعلق تھا اور فقہ آپ کے رگ و پے میں رچ بس گئی تھا۔ مسئلہ کیسا ہی دقیق اور مشکل ہوتا تھوڑی ہی دیر میں آپ اس مسئلہ کی تہ تک پہنچ جاتے۔ اس پر دلیل آپ کی تصانیف ہیں جو آپ نے تحریر فرمائی ہیں خاص کر احسن الفتاویٰ جس سے عوام وخواص دونوں ہی طبقے فائدہ اٹھا رہے ہیں جو ساٹھ (۶۰) سالہ فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔

اشرف المدارس کی بنیاد:

۱۳۸۳ھ میں آپ نے ناظم آباد میں اپنے شیخ ومربی حضرت مولانا شاہ عبدالغنی بھولپوریؒ کی خواہش پر ایک مدرسہ اشرف المدارس کے نام پر کھولا جس میں درس نظامی سے فارغ ہونے والے طلباء کو داخلہ دیا جاتا اوران کو افتاء کی مشق کروائی جاتی تھی بعد میں حضرت مفتی صاحبؒ نے اس کا نام بدل کر دارلافتاء والارشاد رکھ دیا تھا۔

اخلاق وعادات:

آپؒ ہمیشہ حکام سے اجتناب فرماتے تھے جو علماء حکومت سے میل جول رکھتے آپ ان سے بھی ملنا پسند نہیں فرماتے اور جو علماء حکومت سے ملتے جلتے تھے ان کے بارے میں حضرت مفتی صاحب یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

یہ اعمال بد کی ہے پاداش ورنہ
کہیں شیر بھی جوتے جاتے ہیں ہل میں

شہرت سے اجتناب:

حضرت مفتی صاحبؒ شہرت سے بھی بہت دور بھاگتے تھے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا کہ لوگوں میں شہرت سے سخت نقصان پہنچتا ہے مثلاً ایک نقصان یہ کہ شہرت سے عجب وکبر پیدا ہوتا ہے اور جو شخص شہرت سے اجتناب کرتا ہے اس میں کبر اور عجب پیدا نہیں ہوتا اس پر مولانا محمد اعزاز علی صاحبؒ کا یہ شعر سنایا کرتے تھے

واعزازی لدھمفیہ عاری

ترجمہ: ''میرے نزدیک گمنام اور غیر مشہور ہونا ہی سب سے اچھی حالت ہے اور لوگوں کی نظر میں ہر اعزاز میرے لئے باعث شرم ہے۔'' اور فرماتے کہ شہرت سے دوسرا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اس سے دشمن زیادہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی ذات پر پورا

اعتماد اور توکل تھا کبھی بھی کسی سے دنیاوی سوال نہیں فرماتے تھے اگر کوئی مدرسہ کے لئے کچھ دیتا تو اس کو بھی بہت زیادہ استغناء کے ساتھ قبول فرماتے۔

تصانیف:

آپ نے مختلف عنوان پر مختلف کتابیں تصنیف فرمائیں۔ احسن الفتاویٰ ۸ جلدیں، ارشاد القاری الی صحیح البخاری، حقیقت شیعہ، فتنہ انکار حدیث۔ ارعام العنید فی میراث الحفیہ۔ ایمان وکفر کا معیار۔ مودودی اور تخریب اسلام، اسلام کا عادلانہ نظام، معیشت اصلاح معاشرہ، فضائل جہاد اور بھی بہت سی تصانیف ہیں مگر اکثر تصانیف احسن الفتاویٰ کی جدید تہذیب میں شامل کردی گئی ہیں۔

آخری ایام:

آپ کچھ عرصہ بیمار رہے اور آپ نے انتقال سے دو سال پہلے ایک وصیت نامہ جاری کیا تھا علماء امت کے نام جس میں آپ نے وصیت فرمائی کہ میرے انتقال پر زیادہ رنج وغم کرنے کے بجائے صبر کیا جائے۔ پورا مضمون اس طرح ہے۔

وصیت نامہ علماء امت کے نام:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دینی لحاظ سے کسی مشہور شخصیت کے انتقال کے موقع پر رنج وغم اور مناقب شائع کرنے کا دستور ہے میں اس کے لئے یہ وصیت کرتا ہوں۔

(۱) نسخہ صبر وسکون۔

ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی و کل شی عنداللہ باجل مسمی (نسائی)۔

بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ اس نے لے لیا اور اسی کا ہے جو کچھ اس نے دیا اور اللہ کے نزدیک ہر چیز کا وقت معین ہے۔

(۲) درسِ عبرت

۱ دردانگیزی کی بجائے ایسے سوانح سے عبرت حاصل کر کے اپنی حیات کے بقیہ لمحات کو غنیمت سمجھتے ہوئے اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے اپنی مساعی اور جدوجہد کو تیز کردیں، باہمی اختلافات کو بھلا کر بہت متحد ہو کر دنیا سے فسق و فجور و منکرات و بدعات کو مٹانے اور اللہ کی زمین پر اللہ کی حکومت قائم کرنے کے لئے جہاد میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیں۔ میں یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ میرے انتقال کے موقع پر اظہارِ رنج و غم اور رسمی تقریب کی بجائے یہی مضمون زیادہ سے زیادہ شائع کیا جائے۔

رشید احمد

۶ محرم ۱۴۲۰ھ

وصال:

آپ کا وصال ۶ ذی الحجۃ ۱۴۲۲ھ بمطابق ۱۹ فروری ۲۰۰۲ کو اپنی خانقاہ دارالافتاء والارشاد ناظم آباد میں ہوا جب کہ دن کے گیارہ بج کر چالیس منٹ ہوئے تھے واضح رہے کہ آپ کی پیدائش بھی منگل کے دن کی تھی اور وفات بھی منگل کے دن ہوئی۔

نمازِ جنازہ:

آپ کی نمازِ جنازہ آپ کی وصیت کے مطابق جلدی ادا کی گئی تقریباً انتقال کے سوا تین گھنٹے کے بعد آپ کے خادم اور آپ کی مسجد کے امام و خطیب مولانا سلطان عالم صاحب نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ جنازے میں تقریباً ۵۰ ہزار کے قریب مجمع تھا اور ایک بڑا مجمع نمازِ جنازہ ہو جانے کے بعد پہنچا۔ کیونکہ نمازِ جنازہ عصر کی نماز سے تقریباً ایک گھنٹہ پہلے ہو گئی تھی۔ لوگوں کا گمان تھا کہ جنازہ عصر کی نماز کے بعد ہوگا۔

تدفین:

آپ کی وصیت کے مطابق اپنے شیخ ومربی حضرت مولانا عبدالغنی پھولپوریؒ خلیفہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے پہلو میں پاپوش نگر کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ آپ کی قبر دو مسجدوں کے درمیان ہے ایک طرف ذکیہ مسجد اور دوسری طرف جامع مسجد گلزار سعید ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ

(خلیفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ وعارف باللہ ڈاکٹر عبدالحئی صاحبؒ)

یوسف تجھے ملنا تھا، جو انعام لکھا تھا
قدرت نے شہیدوں میں تیرا نام لکھا تھا

نام: محمد یوسف: والد کا نام: الحاج چوہدری اللہ بخش

وطن:

مشرقی پنجاب کے ضلع لدھیانہ اور ضلع جالندھر کے درمیان دریائے ستلج ہے ضلع لدھیانہ کے شمال مشرق میں دریائے ستلج کے درمیان ایک جزیرہ نما بستی ہے جس کا نام عیسیٰ پور ہے یہ آپ کا آبائی علاقہ ہے۔

ولادت باسعادت:

غالباً ۱۳۵۱ھ ۱۹۳۴ء میں آپ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا۔

تحصیل علوم:

گھر کے قریب ہی بستی میں قاری ولی محمد سے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد پرائمری اسکول میں داخلہ لیا اور پرائمری کلاس پاس فرمائی۔

۱۹۴۵ء۔ میں آپ نے لدھیانہ کے مدرسہ محمدیہ میں داخلہ لیا یہاں پر آپ نے فارسی حضرت مولانا امداد اللہ حصارویؒ سے پڑھی۔

۱۹۴۶ء۔ میں آپ نے مدرسہ انوریہ میں داخلہ لیا۔ دو سال آپنے وہاں پر مولانا انیس الرحمٰنؒ، مولانا لطف اللہؒ سے ابتدائی کتابیں پڑھیں۔

۲۷ر رمضان کو جب پاکستان کا قیام وجود میں آیا تو اپنے ضلع ملتان میں چک

۳۳۵ ڈبلیو میں قیام فرمایا وہاں کے قریب میں ایک مدرسہ رحمانیہ تھا جو جہانیاں منڈی میں تھا یہاں پر حضرت مولانا غلام محمد لدھیانویؒ وغیرہ سے آپ نے درس نظامی کی بعض کتب پڑھیں۔ اس کے بعد آپ قاسم العلوم فقیر والی ضلع بہاول نگر تشریف لے گئے اور وہاں پر حضرت مولانا عبداللہ رائے پوریؒ اور حضرت مولانا لطف اللہ شہیدؒ وغیرہ سے کچھ مزید کتابیں پڑھیں۔

اس کے بعد آپ نے چار سال جامعہ خیر المدارس ملتان میں پڑھا اور دورہ حدیث بھی یہیں سے کیا اور دورہ حدیث میں آپ اپنے درجے میں اوّل آئے۔

آپ نے دورہ حدیث کی کتابیں ان اساتذہ کرام سے پڑھیں۔

حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت مولانا عبدالشکور کامل پوریؒ، حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ ڈیروی ؒ، حضرت مولانا نور احمدؒ، حضرت مولانا غلام حسین صاحبؒ، حضرت مولانا جمال الدینؒ، حضرت مولانا علامہ محمد شریف کشمیریؒ۔

تدریس:

۱۹۵۵ء میں فراغت کے بعد آپ نے اپنے پیر و مرشد کے حکم سے ضلع فیصل آباد کے مدرسہ میں دو سال تدریس کی۔ جس میں آپ نے ابتداء سے لے کر مشکوۃ تک کا درس دیا۔

دو سال کے بعد ۱۹۵۷ء میں مدرسہ احیاء العلوم ماموں کانجن ضلع فیصل آباد میں دس سال تدریس فرمائی۔ اس دس سال میں آپ نے مختلف کتابیں پڑھائیں۔

یہاں پر حضرت الاستاد مولانا محمد شفیع ہوشیار پوری کی معیت بھی نصیب ہوئی۔

دس سال تدریس کرنے کے بعد آپ کا تقرر جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں ہوا۔ جامعہ رشیدیہ میں تدریس اور دس دن کراچی میں ماہنامہ بینات کے سلسہ میں اس طرح آپ نے تقریباً آٹھ سال گزارے۔

جامعۃ العلوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن:

اور پھر ۱۴۰۰ء میں جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں سنن ابو داؤد پڑھانے کی آپ سے درخواست کی گئی۔ جس کو آپ نے قبول فرمایا اور پھر آخری سالوں میں آپ کے ذمہ طحاوی شریف کا درس بھی رہا۔

بہت لگتا ہے جی صحبت میں ان کی
وہ اپنی ذات میں ایک انجمن ہیں

بیعت وسلوک:

ابتداء میں آپ نے تعلیم سے فراغت کے سال میں حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ خلیفہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بیعت کا سلسلہ جوڑا تا کہ علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ تعمیر باطن کے بھی انوار و برکات سے استفادہ ہو سکے حضرت مولانا خیر محمدؒ کے انتقال کے بعد ۱۹۷۰ء بمطابق ۱۳۹۰ھ میں آپ نے قطب العالم ریحانۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سے بیعت کا سلسلہ قائم کیا اور پھر حضرت شیخ الحدیثؒ نے آپ کو خلافت واجازت سے بھی سرفراز فرمایا۔

اسی کے ساتھ حضرت عارف باللہ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب عارفیؒ نے بھی آپ کو سند اجازت وخلافت عطا فرمائی۔

آپ کی اصلاحی مجلس ہر جمعرات کو آپ کی مسجد فلاح نصیر آباد (کراچی) میں ہوتی تھی اس مجلس سے بھی ہزاروں لوگوں کی زندگیوں میں تبدیلیاں آئیں۔ آپ نے اپنے پیچھے ۴۸ خلفاء اور ہزاروں مرید چھوڑے اور آپ کے خلفاء آپ کے اس سلسلہ کو آگے بڑھا رہے ہیں۔

تصنیفی خدمات:

اللہ جل شانہ نے جہاں پر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کو جہاں دوسری چیزوں میں کمال عطا فرمایا تھا اس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی آپ نے بڑے جوہر دکھائے اس میدان میں آپ نے ایسے علمی اور تحقیقی کام کئے جو سب کے لئے نمونہ اور مشعلِ راہ ہیں۔

تصنیف کے سلسلے میں سب سے پہلے آپ نے جو مضمون لکھا وہ مولانا عبدالماجد دریابادی کے رد میں تھا اور ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں دو قسطوں میں شائع ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند کی فرمائش پر فتنہ انکار حدیث پر بھی مضمون لکھا۔

۱۹۶۶ء:

میں بینات رسالہ کے کاموں کے سلسلہ میں حضرت مولانا یوسف بنوریؒ کے کاموں میں معاون کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے رہے۔ اور پھر اس کے بعد ہر مہینے کے دس دن رسالہ بینات کے لئے آپ کراچی میں ہوتے تھے۔ اور پھر سات سال کے بعد آپ مستقل ہی کراچی تشریف لے آئے۔

غرض یہ کہ آپ کے بہت سے مضامین رسالہ بینات، اقراء ڈائجسٹ اور دوسرے متعدد رسائل میں چھپتے رہے۔

اس کے علاوہ مستقل تصانیف یہ ہیں آپ کی تمام تصانیف نے بہت ہی قبولیت حاصل کی۔ اس لئے آپ کی تصانیف اختصار کے ساتھ تعارف پیش کیا جارہا ہے۔

(۱): تحفۂ قادیانیت

قادیانیت کے عنوان پر آپ نے متعدد رسائل تحریر فرمائے ان سب کے مجموعہ کا نام تحفۂ قادیانیت ہے۔ جو چار جلدوں میں ہے پہلی جلد میں ۲۴ رسائل ہیں ان میں

سے چند کے نام یہ ہیں۔ قادیانیوں کو دعوت اسلام، ظفر اللہ کو دعوت اسلام، دو دلچسپ مباہلے، قادیانی فیصلہ، نزول عیسیٰ علیہ السلام، قادیانی جنازہ،، قادیانی ذبیحہ، غدار پاکستان عبد السلام قادیانی، قادیانیوں اور دوسرے کافروں میں فرق پہلی جلد میں ۲۰۷ صفحات ہیں۔

تحفۂ قادیانیت جلد دوم:

اس میں بھی کئی رسائل جمع ہیں۔ مثلاً

عقیدہ ختم نبوت۔ فتنہ قادیانیت قادیانی جماعت کے امام مرزا طاہر احمد کے چیلنج کا جواب، مجازی نبوت کا تار عنکبوت۔ معرکہ لاہور و قادیان۔ دوسری جلد میں ۴۶۵ صفحات ہیں۔

تحفہ قادیانیت جلد سوم:

اس میں بھی کئی رسائل ہیں اس میں قران واحادیث کے ساتھ ساتھ چودہ سو سال کے مجددین اور دور حاضر کے اکابر علماء امت کی تصریحات سے حیات ونزول عیسیٰ علیہ السلام کو شاندار انداز سے ثابت کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ ترجمہ مقدمہ عقیدۃ الاسلام، مہدی آخری الزمان، فرقہ مہدویہ وغیرہ پر مشتمل ہے۔

تحفۂ قادیانیت جلد چہارم:

اسی طرح اس میں بھی کئی رسائل ہیں اور یہ جلد بھی تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔

(۲) دنیا کی حقیقت جلد اول و دوم

یہ ترمذی شریف کا ابواب الزہد کا ترجمہ اور مختصر سی تشریح ہے جو حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے حکم پر شروع ہوا تھا۔ جو اصل میں بینات رسالہ میں چھپتا رہا اور بعد

میں اس کو کتابی شکل دے دی گئی۔ جلد اول میں ۵۴۸ صفحات اور جلد دوم میں ۴۶۴ صفحات ہیں۔

(۳) اختلاف امت اور صراط مستقیم:

عام لوگوں کے لئے یہ پہچان کہ کون سا فرقہ حق پر ہے اور کون سا فرقہ ناحق۔ اس الجھاؤ کے متعلق آپ نے نہایت اعتدال اور احتیاط کے ساتھ اس کی تحقیق فرمائی ہے۔ یہ کتاب ابتدائی طور سے بینات کی اشاعت خاص کی صورت میں شائع ہوئی تھی۔ عام انصاف پسند لوگوں نے بے حد پسند کیا اب اس کے متعدد ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔

(۴) آپ کے مسائل اور ان کا حل:

۵ مئیس ۱۹۷۸ء کو جنگ اخبار میں اسلامی صفحہ پر مفتی احمد الرحمٰنؒ اور مفتی ولی حسن ٹونکیؒ وغیرہ کے ایماء پر مسائل کے حل لکھنا شروع کیا اور یہ بھی بہت ہی زیادہ مقبول ہوا۔ اس کے ذریعہ لاکھوں مسلمانوں کی اصلاح ہوئی اور انھوں نے شرک و بدعات اور رسومات سے توبہ کی۔ بعد میں لوگوں کے اصرار پر ان سب کو جمع کیا گیا جس کی نو جلدیں چھپ چکی ہیں اس کو فقہ کا انسائیکلو پیڈیا کہا جائے تو بجا ہوگا۔ یہ بھی حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کا عظیم تجدیدی کارنامہ ہے۔ کتاب تقریباً چار ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔

(۵): سیرت عمر بن عبد العزیزؒ:

یہ اصل میں امام مالکؒ کے شاگرد امام و فقیہ ابو محمد عبداللہ بن عبد الحکم مالکی مصریؒ کی تالیف ہے اس کا اردو میں ترجمہ مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے فرمایا ہے۔

(۶) عورت کی سربراہی:

اس کتاب میں ثابت کیا گیا ہے کہ عورت کی حکمرانی ناجائز ہے۔

(۷) کیا ذکری فرقہ مسلمان ہے؟

اس رسالہ میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ فرقہ ذکری کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۸) تنقید اور حق تنقید:

یہ مودودی صاحب پر رد ہے جو اپنے علاوہ کسی کو تنقید سے بالاتر نہیں سمجھتے تھے اس رسالہ میں واضح کیا گیا ہے کہ تنقید کی حد کیا ہے۔

(۹) شیعہ سنی اختلافات اور صراط مستقیم:

اس میں بعض اہم شیعہ عقائد کی نشاندہی فرمائی گئی ہے اور اس کا قرآن وسنت اور آثار صحابہؓ و اقوال ائمہ کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ کتاب بہت ہی مدلل اور مفصل ہے جس نے اہل روافض کی کمر توڑ دی ہے یہ کتاب پانچ سو اڑسٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۱۰): اصلاحی مواعظ:

آپ نے جو مواعظ اور خطبات ارشاد فرمائے ہیں ان کو کتابی صورت میں مرتب کیا گیا ہے اس کی سات جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں یہ کتاب ۲۷۳ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۱۱): حدیث کیوں؟

غلام احمد پرویز کے خلاف یہ بہترین کتاب ہے۔ اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ اگر

حدیث کا اعتبار نہیں تو پھر قرآن کا اعتبار کیسے ہو سکتا ہے۔

(۱۲): انتباہ المومنین

یہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے فارسی رسالہ کا اردو میں ترجمہ ہے جو انھوں نے شیعوں کے رد پر لکھا تھا۔

(۱۳): شخصیات و تاثرات: (دو جلدیں)

رسالہ بینات میں چھپنے والے مختلف اہم شخصیات کے متعلق تاثرات ہیں بعد میں کتابی شکل میں اس کی اشاعت ہوئی پہلی جلد میں ۵۴ بزرگوں کے حالات ۴۱۲ صفحات میں بیان کئے گئے ہیں۔ دوسری جلد ۴۴ بزرگوں کے حالات پر مشتمل ہے۔

(۱۴) اطیب النعم فی مدح سید العرب والعجم ﷺ

یہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا قصیدہ جو رفارسی زبان میں ہے اس کا اردو میں ترجمہ و شرح ہے نیز حضرت حسان بن ثابتؓ اور حضرت سواد بن کا قصیدہ شامل کر کے اس کا ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

یہ کتاب ۱۹۳ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۱۵): رجم کی شرعی حیثیت:

بعض لوگوں نے رجم کا جب انکار کیا۔ خاص کر کے غلام احمد پرویز نے۔ تو ان پر رد کے لئے یہ کتاب لکھی گئی۔

(۱۶) خاتم النبیین ﷺ:

یہ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کی کتاب ہے جو فارسی میں تھی اس کا بھی آپ نے ترجمہ اور تشریح فرمائی۔

(۱۷): عہد نبوت کے ماہ و سال:

یہ شیخ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی کی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔ اصل کتاب کا نام بذل القوۃ ہے جو عربی زبان میں ہے۔

(۱۸): دور حاضر کے تجدد پسندوں کے افکار:

اس میں ان فرقوں پر رد کیا ہے جو افراط و تفریط کا شکار ہو گئے ہیں۔

یہ کتاب آپ کی شہادت کے سترہ دن کے بعد منظر عام پر آئی تھی یہ کتاب ۳۸۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۱۹) رسائل یوسفی:

یہ بھی مختلف رسائل کا مجموعہ ہے۔

(۲۰): دعوت و تبلیغ کے چھ بنیادی اصول:

حضرت جی مولانا محمد یوسف بن مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کی کتاب جو چھ نمبر کی احادیث پر مشتمل ہے اس کے متن میں اغلاط تھیں حوالہ جات ناکافی اور نامکمل تھے احادیث کے متن خلط ملط تھے۔ ان سب کی تصحیح آپ نے نہایت عرق ریزی اور شوق و ذوق سے فرمائی۔ یہ ایک لاجواب تحقیقی دستاویز ہے۔

(۲۱): ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول ﷺ

یہ شیخ مخدوم محمد ہاشم سندھیؒ کا فارسی میں رسالہ ہے۔ جس میں درود شریف کے وہ الفاظ جمع کئے گئے ہیں جو آپ ﷺ سے صحابہؓ اور تابعین سے اور دیگر اکابر نے نقل کی ہیں۔ اس کا اردو میں ترجمہ فرمایا اور اصل کتاب میں کچھ صفحات بھی غائب تھے ان سب کو بہت ہی عرق ریزی سے مکمل فرمایا۔

(۲۲): قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ

اس میں اپنے پیر و مرشد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے حالات تحریر فرمائے۔ جو چھ سو چھیالیس صفحات پر مشتمل ہیں۔

(۲۳) حجۃ الوداع النبی ﷺ

یہ کتاب عربی زبان میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ کی ہے جو اپنے موضوع پر نہایت جامع کتاب ہے۔ اس کتاب سے عوام کو بھی فائدہ ہو اس لئے اس کا اردو میں ترجمہ فرمایا کتاب کے صفحات تین سو پینتیس ہیں۔

فتنۂ قادیانیت اور مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

حضرت مولانا کا تحریک ختم نبوت کے فاتح جرنیلوں میں شمار ہوتا ہے۔

آپ ۱۹۷۵ء میں مجلس تحفظ ختم نبوت سے وابستہ ہوئے۔ اس ضمن میں آپ نے قادیانیوں کو دعوت اسلام بھی دی اس سلسلہ میں متعدد رسائل تحریر فرمائے اور آپ نے ردقادیانیت پر اتنا لکھا کہ جتنا پچاس سال میں نہیں لکھا گیا۔

صرف اپنے ملک میں ہی نہیں بلکہ قادیانیوں کا تعاقب بیرون ملکوں میں بھی فرمایا اس کے لئے کئی ممالک کا دورہ بھی فرمایا۔ اور آپ مفتی احمد الرحمٰن صاحبؒ کی وفات کے بعد مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر بنے آپ نے اس تحریک کو جو ترقی دی وہ ایک روشن باب کی حیثیت رکھتی ہے۔

تبلیغی جماعت اور مولانا یوسف لدھیانویؒ:

آپ کا ہمیشہ سے اکابر تبلیغ سے تعلق رہا اور رائے ونڈ کے اجتماع میں بھی تشریف لے جاتے تھے اور ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں۔ اور تبلیغی جماعت کے اجتماعات بڑے مفید ہوتے ہیں اور ان میں شرکت کرنا اجر و ثواب ہے اور اختتام

پر جو دعا ہوتی ہے وہ موثر اور رقت انگیز ہوتی ہے اجتماع اور اس دعا میں شرکت کے لئے سفر باعث اجر ہوگا۔"

(آپ کے مسائل اور ان کے حل ۷/ ۲۷۵)

ایک اور سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں (تبلیغی جماعت والے) اچھے لوگ ہیں ان کی نقل وحرکت کی برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہزاروں انسانوں کی زندگیاں بدل دی ہیں اس لئے ان لوگوں کے ساتھ جتنا وقت گزرے سعادت ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۷/ ۲۷۸) ایک موقعہ پر مزید اہمیت کے ساتھ ارشاد فرمایا۔

تبلیغ میں نکلنا درحقیقت ایمان سیکھنے کے لئے ہے اور ایمان کا سیکھنا اہم ترین فرض ہے۔

(آپ کے مسائل ان کا حل ۷/ ۲۷۹)

اسی طرح بہت سے سوالات کے جوابات میں مولانا یوسف لدھیانویؒ نے تبلیغ کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ (دیکھیں آپ کے مسائل اور ان کا حل)

آخری ایام:

۲۰۰۲ بروز جمعرات ۱۸ مئی کو معمول کے مطابق نماز فجر کے بعد معمولی سا آرام فرمایا اور پھر دو رکعت پڑھ کر آپ گھر سے باہر نکلے۔ ختم نبوت دفتر (پرانی نمائش) جانے کے لئے راستہ میں ایک مرید محمد نعیم پھل والا ملا جس سے روزانہ آپ پھل لیتے تھے وہاں گاڑی روکی اور فرمایا آج پھل کھانے کو طبیعت نہیں چاہ رہی اور پھر گاڑی چلنے ہی والی تھی کہ آپ پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ آپ کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے شہادت کے درجہ پر فائز ہوئے۔

فنا ہے سب کے لئے ہم پہ کچھ نہیں موقوف
بقا ہے ایک فقط ذات کبریا کے لئے

تجہیز و تکفین:

علماء کی ایک جماعت نے آپ کی تجہیز و تکفین کا انتظام آپ کی مسجد میں ہی کیا اور پھر آپ کو جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں پہنچا دیا گیا۔

نماز جنازہ:

نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت شیخ المشائخ خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمد دامت برکاتہم کو حاصل ہوئی آپ کے جنازے میں اخباری اطلاع کے مطابق سات لاکھ کا مجمع تھا۔ تین کلومیٹر تک انسان ہی انسان نظر آ رہے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے ایک موقعہ پر فرمایا تھا کہ ہماری عنداللہ مقبولیت کا اندازہ ہمارے جنازوں سے ہوتا ہے۔ بقول شاعر:

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

تدفین:

رات کو ڈیڑھ بجے کے قریب آپ کو جامع مسجد خاتم النبین (پوسٹ آفس کالونی ابوالحسن اصفہانی روڈ) کے ایک پہلو میں دفن کر دیا گیا۔

اناللہ وانا الیہ راجعون



حضرت مولانا شمس الحق رحمتہ اللہ علیہ

(استاذ حدیث وناظم دارالعلوم کورنگی)

ڈھونڈیں ہم اب نقوش سبک رفتگاں کہاں
اب گرد کا رواں بھی نہیں کارواں کہاں

نام: شمس الحق

ولادت:

۱۹۳۱ء جلال آباد (انڈیا) میں پیدا ہوئے آپ کا تعلق خاندان روہیلہ سے تھا جو دینی حمیت وجرأت شجاعت فنون سپہ گری میں پورے برصغیر میں مشہور رہا ہے۔

تحصیل علوم:

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے علاقے جلال آباد کے مشہور مدرسہ مفتاح العلوم جس کے مہتمم حضرت مولانا مسیح اللہ صاحبؒ خلیفہ اجل حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ تھے۔ درجہ خامسہ تک وہاں تعلیم حاصل کی۔ اور پھر پاکستان بن جانے کے بعد آپ بھی پاکستان منتقل ہوگئے۔ اور پھر آپ نے درس نظامی کی تکمیل جامعہ اشرفیہ لاہور میں کی اور آپ ۱۹۵۴ء میں جامعہ اشرفیہ لاہور سے ہی فارغ التحصیل ہوئے۔

اساتذہ:

آپ نے اپنے زمانے کے مستند علماء کرام سے علم حاصل کیا۔ جن میں سے بعض کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

(۱) حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

(۲) مفتی محمد حسنؒ امرتسری بانی جامعہ اشرفیہ لاہور
(۳) مولانا رسول خانؒ استاد الکل
(۴) حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب (مدظلہم) صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان
(۵) حضرت مولانا ضیاء الحق صاحب
(٦) حضرت مولانا غلام محمد صاحب
(۷) حضرت مولانا مہر محمد صاحب
(۸) حضرت مولانا شریف اللہ صاحب

تدریس:

فراغت کے بعد آپ نے ابتدائی تدریس حیدر آباد سندھ میں فرمائی۔

اور پھر ۱۹۵۵ء میں آپ کراچی تشریف لے آئے پہلے ہوئے نانک واڑہ کراچی میں تدریس فرماتے تھے۔ پھر جب یہ مدرسہ کورنگی منتقل ہوا تو آپ بھی وہاں تشریف لے گئے اور پھر دارالعلوم کورنگی میں تدریس فرمائی اور پھر عمر کے آخری ایام تک یہاں ہی کے ہو کر رہ گئے دارالعلوم کورنگی میں تقریباً پچاس سال تدریس فرمائی۔ اور ابتداء سے انتہا تک کی تقریباً تمام کتابیں پڑھائیں۔

تدریسی انداز:

آپ کے تدریسی انداز کے سلسلہ میں مولانا عزیز الرحمٰن استاد دارالعلوم کورنگی تحریر فرماتے ہیں۔

آپ کا انداز تخاطب اور اسلوب بیان سن کر کوئی بھی مخاطب بھی اس صلاحیت کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکتا تھا لیکن یہ اسلوب خالص جدلی اور سنجیدہ نہیں ہوتا تھا جب کہ اس میں ظرافت کی چاشنی اور برمحل لطیفوں کی دلچسپ اور دلربا شگفتگی بھی ہوتی تھی اور

بسا اوقات حضرت کی گفتگو سے محفل زعفران زار ہو جاتی تھی۔ معقولات کے علاوہ آپ کو دینی تدریسی زندگی میں تفسیر اور حدیث کی کتب پڑھانے کا زیادہ موقعہ ملا، جلالین شریف، بیضاوی شریف، سنن ابوداؤد اور سنن ترمذی وغیرہ کا درس آپ کا بہت مشہور ہوا۔

ابتدائی تدریس کے زمانے میں آپ کی طبیعت پر مناظرانہ رنگ غالب تھا۔ فرق باطلہ کا تعاقب اور مبتدعین کو لاجواب کر دینا آپ کا پسندیدہ میدان عمل تھا۔ بعد میں طبیعت اس سے ہٹ گی کہ نتائج کے لحاظ سے مخاصمانہ، مناظرہ کا اسلوب زیادہ نافع نہیں ہوتا۔ دعوت و تبلیغ کی افادیت تو اس پیغمرانہ اسلوب میں ہے۔ جو مدلل ہونے کے ساتھ دلسوزی، خیر خواہی، اور شفقت و ہمدردی کے جذبات سے معمور ہو۔

مولانا فرماتے تھے کہ مجھ کو دو کتابیں بہت پسند ہیں۔

(۱)۔مختصر المعانی اور ہدایہ ثالث۔

ہدایہ ثالث مولانا نے سولہ سال تک اور مختصر المعانی پچیس سال تک پڑھائی، اسی طرح مشکوۃ المصابیح بیس سال تک پڑھائی۔

دینی حمیت:

ایک مرتبہ ایک بہت بڑے عالم دین جو پاکستان سے باہر رہتے ہیں دارالعلوم کورنگی میں ان کا خطاب ہوا۔ خطاب کے دوران انھوں نے کہہ دیا کہ موسیقی جائز ہے۔ اور کہا کہ جواز کی ایک دلیل عدم جواز پر صحیح حدیث کا نہ ہونا ہوتا ہے، اور دوسری دلیل یہ ہے کہ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اس کو جائز قرار دیا ہے ابھی خطاب چل ہی رہا تھا کہ حضرت مولانا کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ موسیقی کے حرمت پر حدیث عمرو بن قرۃ رضی اللہ عنہ کی موجود ہے کہ جب انھوں نے آپ ﷺ سے موسیقی کی اجازت

طلب کی اور کہا کہ یہ میرا ذریعہ معاش ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں رزق حلال کمانے کی صلاحیت دی ہے۔ اس کے باوجود تم نے حرام ذریعہ معاش کو کیوں اختیار کرتے ہو۔

امام غزالیؒ کی بات کا جواب دیا کہ صوفیاء کرام نے مخصوص سماع کو بعض شرائط کے ساتھ جائز کیا ہے نہ کہ موسیقی کو۔

اس محفل میں مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ اور مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ وغیرہ بھی موجود تھے۔ جب کہ مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ مہمان کو باہر لے گئے۔ تاکہ مزید بات آگے نہ بڑھے۔ بہرحال مولانا کی زندگی میں ایسے بہت سے واقعات ہیں کہ مولانا منکرات میں خاموش تماشائی بن کر نہیں رہتے تھے۔

دارالعلوم کورنگی کی نظامت:

حضرت مولانا سحبان محمودؒ کے وصال کے بعد آپ کو مدرسہ کا ناظم تعلیمات بنادیا گیا تھا۔

آپ بہت ہی اعلیٰ درجہ کے منتظم تھے۔ ہر کام کو بہت ہی اہتمام سے کرتے اور دوسروں سے کرواتے تھے۔

علماء کی آراء مولانا شمس الحق صاحبؒ کے بارے میں

مولانا غلام محمد:

مولانا غلام محمدؒ جو حضرت حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد تھے۔ فرماتے تھے کہ اگر قیامت کے دن اللہ نے مجھ سے پوچھ لیا کہ تم نے میرے لئے کیا کیا۔ تو میں مولانا شمس الحق اور مولانا سید الامین ارکانی کو پیش کروں گا (کہ ان دونوں نے مجھسے جامعہ اشرفیہ لاہور میں پڑھا ہے)

حضرت مولانا رفیع عثمانی:

مولانا رفیع عثمانیؒ نے فرمایا کہ مولانا درس وتدریس کے آدمی تھے زندگی بھر درس وتدریس کے علاوہ کسی اور مشغلہ کونہیں اپنایا کتاب اور درس گاہ ہی ان کی منتہائے نظر تھی۔

مولانا سلیم اللہ خان دامت برکاتہم صدر وفاق المدارس:

مولانا شمس الحق کا علم سطحی نہیں بلکہ گہرا اور تحقیقی تھا۔

آخرت کی فکر:

انتقال کے تین سال قبل جب مفتی رفیع عثمانی دامت برکاتہم صاحب ایک سفر پر روانہ ہونے والے تھے اس زمانے میں مولانا شمس الحق کو کچھ ٹی بی کی تکلیف تھی۔ مفتی رفیع عثمانی سے فرمانے لگے کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں میرے لئے میری قبر کی جگہ طے کردیں اصرار کر کے اپنے لئے قبر کی جگہ معین کروائی یہ وہی جگہ تھی جہاں پر آپ انتقال کے بعد مدفون ہوئے یعنی حضرت حضرت عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ کے پہلو میں اس جگہ پر انھوں نے دو آدمیوں کو گواہ بھی بنایا ایک مولانا محمد اسحاق، اور دوسرے محمد اشرف ملک صاحب کو اور اس جگہ کے بارے میں انھوں نے مفتی رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم سے ایک تحریر بھی لکھوائی۔ اور اس پر دو گواہوں کے دستخط بھی کروالیے اور اس کی فوٹو کاپی کروا کر تمام متعلقہ شعبوں میں پہنچادی گئی۔ اس کے بعد حضرت مولانا شمس الحق کو اطمینان ہوا۔

آخری ایام:

رجب ۱۴۲۴ھ میں آپ کے گلے میں خراش محسوس ہوئی اور پھر شعبان کے

مہینے میں اس میں مزید اضافہ ہوگیا الٹرا ساؤنڈ کی رپورٹ سے معلوم ہوا کہ اپ کو گلے کا سرطان ہے۔

اس کا علاج ہوتا رہا مگر مرض میں کمی کے بجائے اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔

ذیقعدہ کے مہینہ میں سانس لینے میں کچھ زیادہ تکلیف محسوس ہوئی تو ہسپتال میں داخل ہوگئے وہاں پر سانس لینے کے لئے حلق میں نلکی لگادی گئی۔ اس سے سانس لینے میں تو سہولت ہوئی مگر کھانے کا راستہ بند ہوگیا۔ کھانے کے لئے مصنوعی طور سے ایک دوسری نلکی لگادی گئی اس سے نقصان یہ ہوا کہ گفتگو کا سلسلہ بند ہوگیا۔ جو بات بھی اہم ہوتی مولانا لکھ کر بتادیتے تھے مگر اس سے بھی مرض میں مسلسل اضافہ بھی ہوتا چلا گیا۔

وفات:

(ذوالحجہ کی ۲۸ تاریخ ۱۴۲۴ھ بمطابق ۲۰ فروری ۲۰۰۴ء کو آخرکار جمعہ کے دن اذان کے مبارک ساعات میں یہ تھکا تھکایا مسافر اس مسافر خانہ سے کوچ کر گیا۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

نماز جنازہ:

نماز جنازہ دارالعلوم کورنگی کے احاطہ میں پڑھایا گیا۔

جنازے میں ہزاروں عقیدت مندوں اور اکابرین علم کا اجتماع تھا۔ جنازہ، نماز عشاء کے بعد ادا کی گئی اور نماز پڑھانے کی سعادت دارالعلوم کورنگی کے نائب مفتی مفتی عبدالروف صاحب دامت برکاتہم کے حصے میں آئی۔

تدفین:

تدفین مولانا کے خواہش کے مطابق دارالعلوم کے قدیم قبرستان میں حضرت

ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمہ اللہ علیہ کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔

ماہ و انجم بھی ترے مجنون ہیں
کہکشاں بھی ہے گدائے شمس حق
گرچہ ہے زیر زمین وہ آفتاب
ہے فضاؤں میں چنائے شمس حق

پسماندگان:

ایک اہلیہ محترمہ پانچ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں ہیں۔ چار صاحبزادوں میں سے چار دارالعلوم کورنگی کے اندر ہی مختلف تعلیمی شعبہ جات میں تدریسی خدمات میں مشغول ہیں۔ صاحبزادوں کے اسماء گرامی یہ ہیں

مولانا مفتی محمد طلحہ شمسی صاحب

مفتی محمد زبیر صاحب

جناب محمد خالد صاحب

جناب محمد سعید صاحب

حضرت مفتی نظام الدین شامزئیؒ

(شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوریؒ ٹاؤن)

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے جہاں کو ویران کر گیا

نام: نظام الدین۔ والد کا نام: حبیب الرحمٰن شامزئی

ولادت: ۱۲ جولائی ۱۹۵۲ء

جائے پیدائش:

سوات کے گاؤں فاضل بیگ گھری، تحرہ تحصیل مٹہ علاقہ شامزئی سے تعلق تھا۔

تحصیل علم:

ابتدائی تعلیم میں آپ نے مینگورہ کے مشہور مدرسہ، مدرسہ مظہر العلوم سے حاصل کی اور پھر ۱۶ سال کی عمر میں کراچی تشریف لے آئے اور کچھ عرصہ معاشی پریشانی کی وجہ سے ٹیکسٹائل مل میں ملازمت کی۔ ۱۹۸۶ء میں آپ نے بکرا پیڑی کے مدرسے میں اولیٰ سے رابعہ تک تعلیم حاصل کی۔ مگر پھر کچھ ہی عرصہ کے بعد جامعہ فاروقیہ (شاہ فیصل کالونی) میں داخلہ لیا جہاں اور دو سال درجہ سابعہ اور دورہ حدیث پڑھ کر درس نظامی کی تکمیل کی۔ اور پھر آپ نے جامشورو یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی اور وہاں سے ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی۔

اساتذہ:

آپ کے استادوں میں سے حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب (صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان و مہتمم جامعہ فاروقیہ) (۲) مولانا عنایت اللہ صاحبؒ (۳)

مولانا فیض علی شاہ (۴) مولانا فضل محمد سواتی وغیرہ ممتاز ہیں۔

تدریس:

درس نظامی سے فراغت کے بعد آپ نے اپنے مادر علمی جامعہ فاروقیہ میں تقریباً بیس سال تک تدریس کی خدمات انجام دیں اور ساتھ میں دارالافتاء کی مسند کے بھی صدر نشین رہے۔ اسی دوران آپ نے ابتداء سے لے کر دورِ حدیث تک کی کتابیں پڑھائیں۔

۱۹۸۸ء میں آپ حضرت مفتی احمد الرحمٰنؒ کی دعوت پر جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن تشریف لے آئے۔ یہاں پر بھی آپ استاد حدیث کے ساتھ ساتھ نگران وصدر شعبہ تخصص فی الفقہ کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتے رہے۔

۱۹۷۷ء: میں جب جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم اور شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ کو شہید کر دیا گیا تو آپ کو شیخ الحدیث کے منصب جلیلہ پر فائز کیا گیا اور تادم شہادت آپ یہ خدمت سرانجام دیتے رہے۔

تدریس کا انداز:

آپ کا تدریس کا انداز اتنا عام فہم تھا کہ غبی سے غبی طالب علم بھی اس کو سمجھ لیتا تھا۔ حدیث کی عبارت آپ خود ہی پڑھتے تھے اور ہر مسئلہ کی پوری وضاحت فرماتے۔ ابتداء اجمال اور پھر اس کی تفصیل فرماتے۔ کہ اس حدیث میں پہلی بات یہ ہے۔ دوسری یہ ہے تیسری یہ ہے ہر بات کو الگ الگ کر کے بیان فرماتے۔

مطالعہ:

آپ کو مطالعہ کا صرف شوق ہی نہیں بلکہ جنون تھا۔ اللہ نے حافظہ بھی خوب اچھا دیا تھا۔ اس لئے جو کچھ مطالعہ فرماتے وہ یاد بھی رہتا تھا۔ ابتدائی دور میں چودہ، پندرہ گھنٹے مطالعہ کرنا آپ کا معمول تھا۔

آپ ایک مرتبہ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ جب میں جامعہ فاروقیہ میں تھا تو درس نظامی کی کتابوں کے پڑھانے کے لئے اس کی تیاری کے علاوہ چار، چار سو صفحات کا روزانہ مطالعہ کرتا تھا۔

ایک موقعہ پر فرمانے لگے کہ جب پہلی مرتبہ فتاویٰ محمدیہ نامی کتاب شائع تو ابتداء اس کی چھ جلدیں شائع ہوئی تھی تو یہ چھ جلدیں آپ نے حیدرآباد جاتے ہوئے تقریباً دو گھنٹے میں اول تا آخر مطالعہ کیں۔اور مصنف عبدالرزاق جو گیارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل کتاب ہے اس کا اپنے معمولات کے ساتھ ساتھ ایک ہفتے میں بالاستیعاب مطالعہ کرلیا۔

سلوک و بیعت:

سب سے پہلے آپ قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے بیعت ہوگئے۔ان کی وفات کے بعد آپ حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ مولانا فقیر محمد پشاوریؒ سے بیعت ہوئے۔ان کی وفات کے بعد آپ نے شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ سے بیعت کی اور پھر چند ہی دنوں کے بعد آپ کو ان کی جانب سے خلافت و اجازت سے نوازا گیا۔

ان کی شہادت کے بعد پھر آپ نے سید الخطاطین سید انور حسین نفیسؒ المعروف نفیس شاہ الحسینی دامت برکاتہم سے بیعت کی تجدید کی اور ان کی جانب سے بھی خلافت و اجازت سے نوازے گئے۔

اسفار:

آپ نے مختلف ممالک کا بھی سفر کیا، ان میں جنوبی افریقہ، زمبابوے، زیمبیا، برطانیہ، جرمنی وغیرہ شامل ہیں۔

دینی جماعتوں سے تعلق:

آپ ہر دینی جماعت کی سرپرستی فرماتے تھے۔اور تمام حلقوں میں آپ کو عزت، احترام اور عقیدت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔خاص کر کے تبلیغ والوں کی بہت تائید فرماتے۔لوگوں کو اس میں وقت لگانے کی ترغیب دیا کرتے تھے اور فرماتے کہ اس وقت یہ اہل حق کی جماعت ہے۔

اس کے علاوہ آپ جمعیت علمائے اسلام کی مجلس شوریٰ کے ممبر تھے۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی مجلس شوریٰ کے آپ تاحیات ممبر رہے۔مفتی محمودؒ اکیڈمی کے آپ نگران تھے۔اسی طرح افغانستان پر روسی حملے کے خلاف ہونے والے جہاد میں عملی شرکت کی اور مجاہدین کی مستقل سرپرستی فرماتے رہے۔

تصانیف:

آپ نے پی ایچ ڈی کے لئے بخاریؒ کے مشائخ پر تحقیقی مقالہ لکھا۔(۲) ظہور امام مہدی (۳) مقدمہ امام مسلم (۴) مسلمانوں کے حقوق (۵) پڑوسی کے حقوق وغیرہ۔اس کے علاوہ متعدد کتابوں پر پیش لفظ اور تقاریظ لکھیں اس کے علاوہ ۲۰۰۰ء سے روزنامہ جنگ کراچی کے ہفتہ وار کالم میں ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' کے ذریعے دنیا بھر کے افراد کے دین سے متعلق سوالات واشکالات کے جوابات اور لاکھوں افراد کی شرعی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔

آخری ایام:

پر کر دے جو لہو سر بھی سینہ بھی
مبارک اس کا مرنا بھی مبارک اس کا جینا بھی

۱۰/ربیع الثانی ۱۴۲۵ مطابق ۳۰ مئی/۲۰۰۴ء صبح سات بج کر چالیس منٹ پر جب حضرت مفتی صاحبؒ حسب معمول درس بخاریؒ شریف کے لئے جامعۃ العلوم

الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن جانے کے ارادے سے اپنے گھر سے نکلے تو راستے میں نامعلوم افراد نے فائرنگ کر دی۔ اگر چہ گاڑی میں حضرت مفتی نظام الدین کا گن مین خیر محمد بھی موجود تھا۔ مگر فائرنگ اتنی رفتار کے ساتھ کی گئی کہ کسی کو سنبھلنے کا موقعہ ہی نہیں ملا۔ جس کے نتیجہ میں حضرت مفتی صاحبؒ تو شہید ہو گئے اور ساتھ بیٹھنے والوں میں سے مفتی صاحب کے صاحبزادے سلیم الدین، بھیتجا رفیع الدین ڈرائیور محمد طیب اور گارڈ خیر محمد زخمی ہو گئے۔ فائرنگ کے بعد ۷ بج کر ۵۵ منٹ پر آپ کو لیاقت نیشنل اسپتال لے جایا گیا۔ جہاں پر ڈاکٹروں نے جان بچانے کی جان توڑ کوشش کی مگر ۸ بج کر ۲۰ منٹ پر ڈاکٹروں نے حضرت مفتی نظام الدین شامزئیؒ کی شہادت کی تصدیق کر دی۔

انا لله و انا اليه راجعون

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار ورسن کہاں

نماز جنازہ:

آپ کی نماز جنازہ کی امامت علامہ بنوری ٹاؤن میں حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر مہتمم جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن نے رات ۸ بج کر دس منٹ پر کروائی۔ جنازے میں ہزاروں کا مجمع تھا۔

تدفین:

مفتی نظام الدین شامزئیؒ کو ان کے پیر و مرشد شہید الاسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے پہلو میں جامع مسجد خاتم النبینؐ پوسٹ آفس سوسائٹی نزد ابوالحسن اصفہانی روڈ میں سپرد خاک کیا گیا۔

پسماندگان:

آپ نے اپنی بیوہ کے علاوہ تین صاحبزادے امین الدین، تقی الدین، سلیم الدین اور پانچ صاحبزادیاں اور والدہ محترمہ اور دو بھائی ڈاکٹر عزیز الدین اور مولانا رحمان الدین چھوڑے ہیں۔

مفتی صاحب کے انتقال پر لوگوں کے تاثرات:

کہاں سے تو نے اے نظام الدین سیکھی ہے درویشی
کہ چرچا ہے بادشاہوں میں تیری بے نیازی کا

شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر:

مفتی نظام الدین امت مسلمہ کے محسن تھے۔

خواجہ خواجگان مولانا خان محمد صاحب امیر مجلس تحفظ ختم نبوت

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے بعد مجھے مفتی نظام الدین کی شکل میں ایک لسان (زبان) ملی تھی وہ مختلف کانفرنسوں اور اجتماعات میں میری نیابت کرتے تھے۔ ظالموں نے مجھ سے میری لسان ہی چھین لی۔

سید نفیس شاہ الحسینی:

مفتی صاحب کی شخصیت علم وعمل، شریعت وطریقت اور اخلاص وروحانیت کا حسین امتزاج تھی۔ افسوس کہ وہ متاع کارواں جاتا رہا۔

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب:

موجود علماء کی جماعت میں مجھے اب کوئی نظر نہیں آتا جو مفتی نظام الدین شامزئیؒ کے خلاء کو پر کرے۔

مولانا سید اسعد مدنیؒ ابن سید حسین احمد مدنیؒ

مفتی نظام الدین شامزئیؒ کی شخصیت ایک سچے اور اصول پسند عالم دین کی شخصیت تھی، وہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے دردمندی سے سوچتے تھے۔

ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر مہتمم جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤنؒ

مفتی صاحبؒ کی فقاہت اور فن حدیث میں مہارت بے مثل تھی۔ ان کے جانے سے وہ تمام برکات جاتی ہیں، جو ان کے اخلاص وللّٰہیت اور تقویٰ وطہارت کی بدولت ہمارے جامعہ کو حاصل تھیں۔ میں نے ان کو کبھی غصے میں نہیں دیکھا۔

مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری۔

مفتی نظام الدینؒ بہترین عالم، عظیم مفسر، ممتاز محدث، زبردست فقیہہ، قوی النسبت، شیخ الادب اور بے مثل خطیب تھے انھوں نے کوئی دینی میدان نہیں چھوڑا ہر شعبے میں ان کی عظمت کے دیرپا نقوش باقی رہے۔

مولانا قاری سعید الرحمٰن مہتمم جامعہ اسلامیہ راولپنڈی۔

مفتی صاحبؒ اسلام کو پوری دنیا میں غالب دیکھنا چاہتے تھے۔

شیخ الحدیث مولانا حسن جان صاحبؒ

مفتی صاحبؒ علم کا پہاڑ تھے وہ جس محفل میں ہوتے۔ وہاں میر مجلس ہوتے وہ میرے خواجہ تاش تھے اس لئے ان کی شہادت میرا ذاتی غم ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان رحمۃ اللہ علیہ

(مدیر اقراء روضۃ الاطفال)

نہیں پائے گا نشان کوئی ہمارا ہرگز
ہم جہاں سے روش تیر نظر جائیں گے

نام: محمد جمیل   والد کا نام: حاجی عبدالسمیعؒ جو مفتی محمد حسن امرتسریؒ کے خلیفہ تھے۔

ولادت باسعادت:

۱۹۵۳ء میں کراچی میں پیدا ہوئے اگرچہ آپ کا آبائی علاقہ پشاور ہے۔

تحصیل علوم:

ابتدائی تعلیم محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ سے حاصل کی۔ اور پھر علامہ بنوری ٹاؤنؒ میں ایک قدیم و معروف استاد حضرت مولانا قاری عبدالغفارؒ سے حفظ قرآن کو مکمل کیا۔ اور پھر درس نظامی کی تعلیم اول تا آخر علامہ بنوری ٹاؤن میں ہی ۱۹۷۴ء میں مکمل کی۔ درمیان میں ایک سال کے لئے آپ نے جامعہ اشرفیہ گوجرانوالہ حضرت مولانا مفتی خلیلؒ کی خدمت میں رہ کر چند کتب پڑھیں اور پھر بنوری ٹاؤنؒ سے ہی تخصص فی الفقہ کا دوسالہ کورس مکمل کر کے مفتی بنے۔ آپ نے دورہ تفسیر حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ سے پڑھا۔

اساتذہ:

آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی، مولانا محمد ادریس میرٹھی، مولانا فضل محمد سواتی۔ مولانا

بدیع الزمان، مولانا سید مصباح اللہ شاہ، ڈاکٹر عبدالرزاق، مولانا محمد عبداللہ کاخیل، مولانا عبدالقیوم چترالی وغیرہ ہیں۔۔

تدریس:

چندسال اپنے مادر علمی علامہ بنوری ٹاؤنؒ میں ہی تدریس بھی فرمائی۔

قوت حافظہ:

اللہ نے آپ کو قوت حافظہ کی بھی دولت سے نوازا تھا۔ایک ہی وقت میں کئی کئی چیزوں کو لے کر چلتے تھے اور سب کو ہی بہترین ترتیب سے سرانجام دیتے تھے۔

بیعت وسلوک:

اپنا اصلاحی تعلق رئیس الاتقیاء حضرت مولانا فقیر محمد پشاوریؒ سے قائم کیا اور پھر بہت ہی جلدی اپنی خداداد صلاحیت سے خلافت سے سرفراز ہوئے۔اس وقت ان کی عمر صرف ستائیس سال تھی۔حضرت مولانا فقیر محمدؒ کے انتقال کے بعد آپ نے دوسری بیعت مولانا سلیمان ندویؒ کے خلیفہ مولانا محمد اشرفؒ سے کی پھر ان کے انتقال کے بعد تیسری بیعت آپ نے شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی سے کی ان سے بھی خلافت واجازت سے سرفراز ہوئے۔ اور مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی شہادت کے بعد آپ نے قطب الاقطاب خواجہ خواجگاں حضرت مولانا خواجہ خان محمد دامت برکاتہم سے بیعت کی آپ کو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے خلیفہ مولانا ڈاکٹر محمد اسماعیل نے اور مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہم العالیہ نے بھی خلافت سے نوازا تھا۔

صحافت سے وابستگی:

انھوں نے مختصر زندگی میں بے شمار کام کیے ان میں سے چند کا ذکر یہاں کیا جاتا

ہے۔

۱۹۷۸ء سے روزنامہ جنگ کراچی کے ہفتہ وار شائع ہونے والا اسلامی صفحہ ''اقراء'' میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی کے معاون خصوصی کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتے رہے اور آپ اسلامی صفحہ کے انچارج بھی تھے اس کے علاوہ تقریباً دس سال سے آپ انگریزی روزنامہ دی نیوز کے اسلامی صفحہ میں بھی انچارج تھے۔

ہفت روزہ لولاک کے مدیر تھے۔ ماہنامہ اقراء ڈائجسٹ کے پبلشر رہے۔

ہفت روزہ ختم نبوت کراچی کے مجلس ادارت کے رکن تھے۔ اس کے علاوہ بھی آپ متعدد رسائل و جرائد کے مجلس ادارت و مشاورت کے رکن تھے۔

اندرون ملک اور بیرون ملک مختلف اسلامی کانفرنسوں اور پروگراموں کی رپورٹنگ کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی ان کی صحافت کے میدان میں بڑی خدمات ہیں۔

تحریک ختم نبوت:

۱۹۷۴ء کی ملک گیر تحریک ختم نبوت میں مجاہدانہ کردار ادا کیا۔ وہ مجلس تحفظ ختم نبوت کے ناظم بھی تھے۔ ہر سال برطانیہ کے شہر برمنگھم میں ہونے والی عالمی ختم نبوت کانفرنس کے روح رواں تھے اور اس میں ملک بھر کے جید علماء کو لے کر جاتے تھے۔

چناب نگر میں ہونے والی ختم نبوت کانفرنس میں بہت زیادہ دلچسپی لیتے رہے۔ قادیانیت کے خلاف جدوجہد میں وہ ہمیشہ سینہ سپر رہے۔ آخری وقت میں خواجہ خان محمد نے مفتی محمد جمیل کو معاون نائب امیر بنایا تھا جو ایک اعزاز تھا۔

اقراء روضۃ الاطفال:

اس نام سے انھوں نے اپنے رفقاء کار مفتی خالد محمود اور مفتی مزمل حسین کاپڑیا

کے ساتھ ابتداء کراچی میں حفظ قرآن مجید کا ایک دینی اور مثالی ادارہ اکابر علماء کے کرام زیر سرپرستی قائم کیا۔ اور آخری وقت تک اس سے وابستہ رہے ابتداً میں یہ مدرسہ ناظم آباد میں ایک کرائے کی جگہ پر لے کر شروع کیا گیا اور خود ہی مفتی جمیل صاحب گاڑی لے کر بچوں کے گھر جاتے اور بچوں کو اپنی گود میں اٹھا کر گاڑی میں بیٹھاتے تھے۔ ان کے اخلاص اور دن و رات کی جدوجہد کے سلسلہ میں ہر چھوٹے بڑے اعتراف کرتے ہیں اس کی تقریباً ۱۰۸ شاخیں قائم ہوئیں۔

یہاں حفظ کرنے والوں کی تعداد تقریباً چالیس ہزار کے قریب ہے۔

خدمت کا جذبہ:

یہ خوبی بہت ہی کم لوگوں میں پائی جاتی ہے کہ اپنے آپ کو مٹا دیں اور دوسرے کی دل و جان سے خدمت کریں۔ یہ خوبی حضرت مفتی جمیل صاحب کے اندر نمایاں طور پر تھی۔

جن اکابرین کی انھوں نے خدمت کی ان کی فہرست بہت طویل ہے تاہم ان میں سے چند کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ، مفتی احمد الرحمٰنؒ، شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، مولانا سرفراز خان، حضرت مولانا خواجہ خان محمد، حضرت سید نفیس شاہ الحسینی، حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب، ان سب کی خدمت حقیقی اولاد سے بڑھ کر کی۔

حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی، کو اپنے کندھے پر اٹھا کر بیت اللہ کا طواف کراتے حضرت مولانا شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر مدظلہ کو وہیل چیئر پر طواف وسعی کراتے، مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ بیمار ہوئے تو ہر طرف سے لاتعلق اور بے خبر ہو کر تمام مصروفیات کو معطل کر کے ان کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔

مجاہدین افغانستان کی سرپرستی:

افغانستان پر روسی حملے کے خلاف جہاد میں خود بھی شرکت کی اور لوگوں کو اُس کی طرف خوب امادہ بھی کیا اور پھر طالبان حکومت کی ہر طرح سے اعانت وسرپرستی کی۔ جہاد کے بارے میں کی جانے والی غلط فہمیوں کو دور کیا اور اخبارات وجرائد میں جہاد کی ضرورت پر خود بھی مضامین لکھے اور دوسرے اکابرین سے بھی لکھوائے۔

حج وعمرہ سے عشق:

حج وعمرے سے آپ کو خصوصی شغف تھا۔ اس کی خاطر آپ نے ختم نبوت حج گروپ کی بنیاد رکھی جس سے ہزاروں لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔ ایک مرتبہ مفتی خالد محمود نائب مدیر اقرا روضۃ الاطفال نے مفتی جمیل صاحب سے رمضان کی مصروفیات کے بارے میں کچھ کہا تو فرمایا کہ سفر حج اور رمضان المبارک میں حرمین شریفین سفر تو میں چھوڑ نہیں سکتا باقی جس طرح آپ فرمائیں میں حاضر ہوں۔

دینی جماعتوں سے تعلق:

ہر دین کے کام پر قائم ہونے والی جماعت اور تحریک کی وہ سرپرستی کرتے تھے۔ اور ان کے لئے اپنی قیمتی اوقات میں سے وقت نکالتے اور ان کے مشورے اور ان کی کانفرنسوں میں شرکت کرتے۔

شہادت کا واقعہ:

سانحہ شہادت کی تفصیلات کچھ یوں ہیں۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کے رہنما اقرا روضۃ الاطفال کے رئیس مجاہدین کے مربی وسرپرست مفتی محمد جمیل خان، مولانا نذیر احمد تونسوی کے ہمراہ ہفتے کی شام پانچ بن کر بیس منٹ پر نمائش چورنگی پر واقع عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی دفتر مسجد باب رحمت سے اپنی ٹویوٹا وین نمبر

CK.5635 پر اپنی رہائش گاہ جمشید روڈ چمن اسٹریٹ جانے کے لئے نکلے وہ پانچ بج کر تیس منٹ پر جامعہ بنوری ٹاؤن پہنچے اور دس تا پندرہ منٹ وہاں قیام کے بعد وہ پانچ بن کر پینتالیس منٹ پر گھر جانے کے لئے نکلے جیسے ہی وہ پانچ بن کر پچاس منٹ پر چمن اسٹریٹ میں داخل ہوئے اور ست گرو کاٹیج کے سامنے گاڑی روکی ہنڈا ۱۲۵ موٹر سائیکل پر سوار دو نوجوان ان کی گاری کے قریب آ کرر کے اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے مولانا مفتی محمد جمیل خان پر موٹر سائیکل سوار ایک دہشت گرد نے نائن ایم ایم پستول سے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی جس کے نتیجے میں حضرت مفتی محمد جمیل خان کو چار گولیاں لگیں جس سے وہ شدید زخمی ہو گئے جبکہ مولانا نذیر احمد تونسوی موقع پر شہید ہو گئے۔حملہ آور کارروائی کے بعد جمشید روڈ کی جانب فرار ہو گئے۔ مفتی محمد جمیل خان کو شدید زخمی حالت میں لیاقت نیشنل ہسپتال لے جایا گیا جہاں ڈاکٹر ان کی جان بچانے کی کوشش کرتے رہے تاہم پون گھنٹے بعد تقریباً سات بجے کے قریب مفتی محمد جمیل خان زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے جام شہادت نوش فرما گئے۔مولانا تونسوی کی لاش سول ہسپتال پہنچائی گئی ایک عینی شاہد نے بتایا کہ حملہ آور مفتی جمیل خان کے آنے سے پندرہ منٹ قبل ہی گلی میں آ کر کھڑے ہوئے تھے۔جب مفتی جمیل خان کی گاڑی گھر کے دروازے کے قریب رکی تو موٹر سائیکل سوار دو دہشت گرد جنھوں نے ہیلمٹ پہن رکھے تھے ان کے قریب آئے اور کچھ بات کی اس کے بعد دہشت گردوں نے فائرنگ شروع کر دی جس سے کئی گولیاں گاڑی میں لگیں۔ایک حملہ آور نے شلوار قمیص پہن رکھی تھی جو موٹر سائیکل چلا رہا تھا اور دوسرا حملہ آور جینز کی پینٹ اور شرٹ میں ملبوس تھا دونوں حملہ آوروں کی عمریں بیس سے بائیس سال کے درمیان تھیں اور موٹر سائیکل پر پیچھے بیٹھے ہوئے حملہ آور نے مفتی جمیل خان اور مولانا نذیر احمد تونسوی پر فائرنگ کی۔ایک عینی شاہد کا کہنا ہے کہ حملہ آور فائرنگ کرتے ہوئے جمشید کوارٹر کی طرف فرار ہو گئے جب کہ کچھ فاصلے پر بیٹھے ہوئے نوجوان بھاگے ہوئے ان

کے قریب آئے تو ان دونوں کے جسم سے خون ابل رہا تھا مولانا مفتی جمیل خان کی زبان پر کلمہ شہادت تھا اور مولانا نذیر احمد تونسوی موقع پر شہید ہو چکے تھے۔ دہشت گردوں کی فائرنگ سے مفتی محمد جمیل خان کی گاری پر دائیں طرف گولی کا ایک نشان ہے۔ واقعے کی اطلاع ملتے ہی بڑی تعداد میں لوگ لیاقت نیشنل ہسپتال پہنچ گئے ان کی شہادت کی اطلاع ملتے ہی ان کے عقیدت منداور محبین دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اس موقع پر ہر آنکھ اشکبار تھی بعدازاں ان کا جسد خاکی بنوری ٹاؤن مسجد میں لایا گیا۔

نماز جنازہ:

نماز جنازہ جامع مسجد بنوری ٹاؤن میں ظہر کی نماز کے بعد ادا کی گئی۔ جس میں اکابرین علماء، مشائخ، طلباء، معتقدین، محبین نے شرکت کی جو ہزاروں کی تعداد میں تھے۔

جنازے کی نماز حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر مہتمم جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن نے پڑھائی۔

تدفین:

آپ کی تدفین جامع مسجد خاتم النبیین پوسٹ آفس سوسائٹی اصفہانی روڈ میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید اور ان کے ڈرائیور اور حضرت مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمہم اللہ قبور کے متصل ہوئی۔

پسماندگان:

بیوہ کے علاوہ چار صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں شامل ہیں تمام اولاد حافظ قرآن اور عالم دین بن رہے ہیں۔ دیگر پسماندگان میں والدہ ماجدہ اور چھ بھائی اور بہنیں بھی ہیں۔

حیات جاوداں عشق کو مل گئی حفیظ
مر کے ہوس کو کیا ملا مرگ دوام کے سوا